بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

انسان کی پیدائش سے موت بلکہ مابعد الموت تک ایسے بے شمار مرحلے آتے ہیں جہاں قدم قدم پر اسے ریاکاری سے دامن بچانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مگر اکثر انسان اس میں کامیاب نہیں ہو پاتے اور معاشرتی مجبوری کا سہارا لے کر ریا کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بسا اوقات ایسی ریا سے بچنے کے لیے صرف معمولی سی محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی تو معاملہ صرف دل کو سمجھانے کا ہوتا ہے، کوئی محنت بھی نہیں کرنا پڑتی۔ مگر ہوتا یہی ہے کہ انسان جسے دل سمجھتا ہے اور جس کو سمجھانے کی بجائے جس کی پیروی کرنے لگتا ہے وہ دل (ضمیر) نہیں بلکہ اس کا نفس ہوتا ہے اور نفس کی خواہشات کی پیروی کو وہ اپنے دل کی بات سمجھ کر بہک جاتا ہے اور نفس اگر نفس امارہ ہو تو وہ بھی کبھی ایسی چال چل جاتا ہے کہ جس کا خمیازہ انسان زندگی بھر بھگتتا رہتا ہے۔ اسی نفس سے ایک آواز اکثر اوقات تقریباً ہر دنیادار شخص کو سننے کو ملتی ہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** اس نفس کے بارے میں ایک عارف و زاہد عالم نے لکھا ہے کہ:۔

"نفس امارہ کی عادت ہے کہ وہ گناہ کے خارزاروں میں انسان کو اس بے رحمی سے گھسیٹتا ہے کہ قبائے شرافت تار تار ہو جاتی ہے۔ نفس سرکش کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے گا"۔(۱)

(۱) ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۴۳۷

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے نفس امارہ کے بارے میں جو کچھ کہلوایا وہ قابل غور ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بارے میں فرماتے ہیں:۔

وَ مَا اُبَرِّیءُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌ م بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ط اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ٥(۱)

"اور میں اپنے نفس کی برأت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو حکم دیتا ہے بُرائی کا، مگر وہی (اس کے شر سے) بچتا ہے جس پر میرا رب رحم فرما دے۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے۔"

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

اَعۡدٰی عَدُوِّکَ نَفۡسَکَ الَّتِیۡ بَیۡنَ جَانِبَیۡکَ

یعنی:۔ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔(۲)

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَشَدُّ الۡحِجَابِ رُؤۡیَۃُ النَّفۡسِ وَ تَدۡبِیۡرُھَا

یعنی:۔ بندے کے لیے مشکل ترین حجاب نفس کی رویت اور اس کی مکاری ہے۔

ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) سورۂ یوسف، آیت ۵۳ (۲) کشف المحجوب، ص ۴۰۸، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۸۹ء

اَلنَّفۡسُ صِفَۃٌ لَّا تَسۡکُنُ اِلَّا بِالۡبَاطِلِ

یعنی:۔ نفس ایک ایسی صفت ہے جس کی تسکین باطل کے سوا نہیں ہوتی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:۔

اَسَاسُ الۡکُفۡرِ قِیَامُکَ عَلٰی مُرَادِ نَفۡسِکَ

یعنی:۔ کفر کی بنیاد بندے کا نفس کی مراد پوری کرنا ہے۔(۱)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام بُرے اخلاق اور افعال شنیعہ (بُرے اعمال) کا باعث نفس ہے۔"(۲)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

"نفس سراسر ظلمت ہے"

اور ابو عثمان فرماتے ہیں کہ:۔

جس شخص کو اپنے نفس کی کوئی بات اچھی لگتی ہے تو وہ شخص اپنے نفس کا عیب نہیں دیکھ سکتا۔ نفس کا عیب تو اسی شخص کو نظر آتا ہے جو ہر حالت میں اپنے نفس کو مشتبہ سمجھتا ہے۔"(۳)

مذکورہ بالا اقوال وارشادات بزرگان دین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

(۱) کشف المحجوب، ص ۳۹۵، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۹۸۹ء (۲) کشف المحجوب، ص ۳۸۸،

(۳) غنیۃ الطالبین، (مترجم اردو) ص ۶۴۱، مطبوعہ مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۸

نفس کی پیروی انسان کو گمراہی کے دہانے پر پہنچا دیتی ہے اور تمام بُرے اعمال کا سبب نفس کی پیروی کرنا ہے۔ ہمارے معاشرے میں خواہشات نفسانی اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ کوئی شاذ و نادر انسان ہی اپنے حال سے مطمئن دکھائی دیتا ہے۔ ورنہ جسے پوچھیے اپنی کسی نہ کسی خواہش کی تکمیل نہ ہونے کے باعث پریشان اور حالات سے بیزار نظر آتا ہے اور سبب اس بیزاری کا یہی ہے کہ نفس نئی نئی خواہشات خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے اور انسان کو ان خواہشات کی تکمیل کے لیے اُکساتا ہے۔ ان میں بعض خواہشیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن کی تکمیل کی خاطر وہ جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

اس کتاب میں ہم نے انسان کی پیدائش سے موت بلکہ موت کے بعد تک کے بعض ایسے معاملات کا ذکر کیا ہے جہاں نفس کی آواز **"لوگ کیا کہیں گے"** کے الفاظ میں سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز نفس کی آواز ہے۔ جس پر تقریباً ہر شخص آنکھیں بند کیے لبیک کہے چلا جا رہا ہے اور اس پر لبیک کہنے ہی میں وہ اپنی عافیت سمجھتا ہے۔ وہ اپنی بعض خامیاں لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے، اسے ہر وقت یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی ان خامیوں یا خفیہ باتوں کا پتہ چل گیا تو **"لوگ کیا کہیں گے"**۔

قرآن کریم مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے اور بحیثیت مسلمان ہم مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن ہماری زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے، انسانوں کے اس خوف کے بارے میں کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** قرآن

کہتا ہے کہ:۔

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ج وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ٥ (۱)

ترجمہ:۔ وہ لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے، وہ تو (اس وقت بھی) ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔

کوئی غلط کام کرتے وقت انسان ادھر اُدھر دیکھتا ہے کہ کہیں اسے کوئی دیکھ تو نہیں رہا، وہ دیگر انسانوں کی نظروں سے چھپ کر بُرائی کرنا چاہتا ہے مگر وہ اس وقت یہ بات بھول جاتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس طرح وہ ایسے کام کر گزرتا ہے جو اللہ کے قانون میں تو معیوب بتائے گئے ہیں مگر انسانوں کے یہاں ان کو نہ کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہی نفس کی پیروی ہے، کہ انسان اللہ کے نازل کردہ احکام کو پس پشت ڈال دے اور جو اس کے من کو بھائے اور معاشرے میں اس کے جھوٹے وقار کو بلند کرنے کا باعث ہو۔ اسے اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی پیروی سے بچائے۔ (آمین)

۱۹ جون ۲۰۰۰ء پروفیسر نور احمد شاہتاز
استاذ شیخ زاید اسلامک ریسرچ سینٹر،
کراچی یونیورسٹی

(۱) سورۃ النساء، آیت ۱۰۸

"لوگ کیا کہیں گے......؟"

اب ہم چند ایسے معاشرتی معاملات کا ذکر کرتے ہیں جن میں نفس کا عمل دخل بہت بڑھا ہوا ہے اور اس کی آواز ہمیں ان الفاظ میں سنائی دیتی ہے کہ:۔

"لوگ کیا کہیں گے"

بچے کی پیدائش کا مرحلہ:۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اولاد کی قدر ان سے پوچھیے جو اولاد سے محروم ہیں اور جنہوں نے حصول اولاد کی خاطر دنیا کا ہر وہ جتن کیا ہے جس سے اولاد کی کوئی صورت ہو سکتی ہے مگر انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔

قرآن کریم نے اولاد کو آزمائش کہا ہے کیونکہ انسان کبھی اولاد کی کثرت کی وجہ سے امتحان میں ڈالا جاتا ہے تو کبھی اولاد کے نہ ہونے سے۔ کبھی اولاد کے دکھ تکلیف سے انسان پریشان ہو جاتا ہے اور کبھی اولاد کی طرف سے ملنے والے بدسلوکی اور نافرمانی کے رویہ سے۔ بہرصورت اولاد انسان کی ایک آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آزمائش سے بخیر و خوبی عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔ آمین

جب کسی شخص کے یہاں اولاد پیدا ہوتی ہے خصوصاً پہلی اولاد اور نرینہ اولاد (بیٹا) تو اسے ایک قدرتی خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس خوشی کے اظہار اور اس پر تشکر کے لیے

وہ اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب کو مٹھائی کھلاتا ہے اس مٹھائی کا اہتمام ہر شخص اپنی مالی حالت کے مطابق کرنا چاہتا ہے مگر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کے گھر کی خواتین یا اس کے بے تکلف دوست اس سے ایسی اور اتنی شیرینی کا تقاضا کرتے ہیں جس کا وہ متحمل نہیں ہو سکتا مگر محض دوستوں کی دلجوئی اور خواتین کی فرمائش کی تکمیل کی خاطر اسے اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر اس طرز کی اور اس معیار کی اور اتنی مقدار کی مٹھائی احباب کے ہاں نہ بھجوائی گئی تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ انہیں بیٹے کی پیدائش کی خوشی نہیں ہوئی......؟

اور اگر اتفاق سے بیٹے کی بجائے بیٹی پیدا ہو تو پھر مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیٹی کی ولادت کی خوشی میں اگر مٹھائی تقسیم کی تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ بیٹی کی ولادت کی خوشی میں مٹھائی بانٹتے پھر رہے ہیں حالانکہ مٹھائی تو بیٹوں کی ولادت کے موقع پر بانٹی جاتی ہے اور اگر مٹھائی تقسیم نہ کی تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ انہیں اولاد کی کوئی خوشی نہیں ہوئی۔

اگر کسی کے یہاں اوپر تلے دو تین بیٹیاں ہو جائیں تو مسئلہ یہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ بچی کی پیدائش کے بارے میں احباب کو بتایا جائے یا نہ بتایا جائے۔ اگر نہ بتایا جائے تو **"رشتہ دار کیا کہیں گے"** کہ بچی ہوئی ہمیں بتایا تک نہیں اور اگر بتایا تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ بچی پیدا ہوئی ہے اور سب کو بتاتے پھر رہے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اولاد کے حوالے سے اس طرح ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ٥ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ج وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ٥(۱)

ترجمہ:۔ اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمینوں میں وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہے بیٹیاں دے دے اور جسے چاہے بیٹے عطا فرمائے یا کسی کو ملا جلا کر دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بے اولاد (بانجھ) کر دے۔ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔

جب اولاد عطا کرنے اور اس کے انتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ کسے کیا دیا جائے اور کتنا دیا جائے تو پھر بیٹا پیدا ہو یا بیٹی وہ اللہ کی عطا ہے اور اللہ کی عطا نعمت ہوا کرتی ہے اور نعمت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس پر خوش ہونا چاہیے نہ کہ افسردہ و غمگین۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں یہ بُرائی پھیل گئی ہے کہ کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو بچی کی ولادت پر افسوس اور غم کا اظہار کرنے لگتا ہے اور اگر کسی خاتون کے یہاں اوپر تلے تین چار بیٹیاں پیدا ہو جائیں تو گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور اس خاتون کو منحوس تصور کیا جانے لگتا ہے اور بسا اوقات نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے پیدا کرنے یا بچیاں پیدا کرنے میں اس خاتون

(۱) سورۃ الشوریٰ، ۴۹/۵۰

کا کیا قصور ہے؟ کیا قرآن کریم پر ہمیں یقین نہیں؟ یا اللہ کی تقسیم سے ہم ناخوش ہیں؟ بچیوں کی پیدائش پر افسوس اور دکھ کا اظہار کرنا کافرانہ حرکت ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کافروں کے یہاں یہی رواج تھا کہ بچی کی پیدائش پر اظہار غم کرنا اور لوگوں کو یہ بتانے سے گریز کرنا کہ اس کے یہاں بچی پیدا ہوئی ہے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے:۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝(۱)

"ترجمہ:۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی جاتی ہے تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہے۔ چھپتا پھرتا ہے لوگوں کی نظروں سے اس بُری خبر کے باعث جو اسے سنائی گئی۔ (سوچتا ہے کہ) کیا ذلت برداشت کر کے (اس بچی کو) روک لے (زندہ رہنے دے) یا دبا دے اسے مٹی میں۔ آہ......! کتنا بُرا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔"

یہ آیت طیبہ ہمیں بتا رہی ہے کہ نہ تو بچی کی پیدائش پر غم کھانے کی ضرورت ہے اور نہ بچی کی ولادت کو بُرا سمجھنے کی۔

تفسیر ضیاءُالقرآن میں ہے:۔

(۱) سورۃ النحل،۵۸/۵۹

" کفار کی یہی حالت تھی، جب ان کے یہاں بچی پیدا ہوتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی، باپ کا چہرہ فرطِ غم سے سیاہ پڑ جاتا۔ عار اور شرم کے مارے وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا چھپا رہتا۔ قبیلۂ مضر، خزاعہ اور تمیم کے لوگ تو اپنی بچیوں کو زندہ دفنا دیتے۔"

کیا ہم پھر زمانہ کفر و جہالت کی طرف لوٹ چکے ہیں، جو ہمارے گھروں کی کیفیت بھی وہی ہونے لگی ہے جو کافروں کے گھروں کی ہوا کرتی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:۔

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اَنَا وَ هُوَ كَهَاتَيْنِ وَ ضَمَّ اَصَابِعَهٗ . (۱)

ترجمہ: جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں، تو ایسا شخص قیامت کے دن میرے قریب ہوگا اور یوں میرے ساتھ کھڑا ہوگا جیسے یہ دو انگلیاں آپس میں قریب قریب ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا لیا۔

بچیوں کے حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کے اور بھی اقوال ہیں مگر اختصار کے پیشِ نظر اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱) صحیح مسلم

مسلمان والدین کو چاہیے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے کافرانہ طور طریقوں سے مکمل گریز کریں اور اولاد کی پیدائش کے موقع پر وہی طرزِ عمل اختیار کریں جو ایک مسلمان کا ہونا چاہیے۔

بچے کے لیے تحفے تحائف کا مرحلہ:۔

بچے کی ولادت کے موقع پر ننہیالی رشتے دار عموماً تحفے تحائف، ضروری ملبوسات و دیگر اشیاء لے کر آتے ہیں، ان تحائف کی خریداری میں بھی وہی مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ اگر تحفے بہت اچھے نہ ہوئے تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ عام سے کپڑے اور سستے سے کھلونے دیئے۔ اگر ان تحائف کے لانے میں چند یوم کی تاخیر ہو جائے تو خواتین ایک ہنگامہ برپا کر دیتی ہیں کہ "ارے اتنے روز ہو گئے اب تک ہم لوگ بچے کو دیکھنے نہیں گئے، آخر وہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے اور کیا کہیں گے کہ نہ جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کیوں اب تک بچے کو دیکھنے نہیں آئے؟"

بچے کی پیدائش کے موقع پر ننھیال کے ہاں بچہ پیدا ہو تو ددھیال والے اور ددھیال کے ہاں پیدا ہو تو ننھیال والے، بچے کے کپڑے، بچے کی والدہ اور والد کے کپڑے، بسا اوقات نانی اور دادی کے کپڑے، دیہاتوں میں دائی یا آیا کے کپڑے اور بچے کے کھلونے وغیرہ بھیجتے ہیں، ان میں پوری کوشش سے خرچ کیا جاتا ہے کہ کوئی کمی نہ رہ جائے، اور یہ اسراف محبت میں کم اور اس نغمہ سے بچنے کے لیے زیادہ ہوتا ہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** بچے کو کیا دیا......؟

حالانکہ تحفہ وہ ہوتا ہے جو دل کی چاہت سے اخلاص کے ساتھ بلا ریا اور بغیر کسی کے طعنہ کے خوف کے دیا جائے اور اگر طعنہ سے بچنے کے لیے دیا تو وہ تحفہ نہ ہوا۔ دفاعِ طعنہ ہوا۔

بچے کے نام کا مرحلہ:

بچے کا نام تجویز کرنے کے لیے گھر بھر میں مشورہ ہوتا ہے، بعض لوگ محلے کے امام مسجد سے رابطہ کرتے ہیں کہ وہ کوئی اچھا سا نام تجویز کر دیں، بعض تاریخ پیدائش کے لحاظ سے عاملوں سے نام نکلوانے کو ترجیح دیتے ہیں اور تقریباً سب کا اس بات پر اتفاق ہوتا ہے کہ نام ایسا رکھو جو پکارنے میں اچھا لگے اور اگر کوئی مشورہ دے دے کہ کسی نیک شخص، بزرگ یا پیغمبر کے نام پر رکھ لیں تو کہتے ہیں لیجئے اتنا پرانا سا نام **"لوگ کیا کہیں گے"** انہیں کوئی خوبصورت سا نام نہیں ملا تھا رکھنے کو......؟

ناموں کے سلسلے میں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات یہ ہیں کہ ایسے نام رکھے جائیں جو بامعنی ہوں اور جن سے عبدیت (بندگی) کا اظہار ہوتا ہو، جیسے عبدالجبار، عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے تو والدین نے ان کا نام "حرب" رکھا۔ آنحضرت ﷺ بچے کو دیکھنے آئے تو پوچھا کیا نام رکھا گیا ہے......؟ بتایا گیا...... "حرب"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "حرب" تو لڑائی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے بدل کر "حسین" نام رکھا۔ اس طرح ایک شخص کا نام "حزن" تھا، آپ ﷺ نے بدل کر "سہل" کر دیا کہ "حزن" کے معنی غم کے ہوتے

ہیں۔حضرت عمر بن خطاب ؓ کی ایک بچی کا نام "عاصیہ" تھا آپ ﷺ نے بدل کر "جمیلہ" کر دیا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے معنی یا معنی کے لحاظ سے نامناسب نام نہیں رکھے جانے چاہییں،اور اگر رکھ دیئے گئے ہوں تو انہیں بدل دیا جانا چاہیے۔

ایک حدیث شریف میں ہے:۔

اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ (۱)

کہ تمہارے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کو جو نام زیادہ پسند ہیں وہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

مؤطا امام مالک میں ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ایک شخص سے اس کا نام پوچھا،اس نے کہا میرا نام "جمرہ" (چنگاری) ہے۔پھر آپ ؓ نے پوچھا کس کے بیٹے ہو۔اس نے کہا "شہاب" (شعلہ) کا۔آپ ؓ نے فرمایا کس قبیلہ سے تعلق ہے۔اس نے کہا کہ "حرقہ" (جلنا) سے۔پھر کہا،تمہاری رہائش کہاں ہے۔اس نے کہا "حرۃ النار" (آگ کے محلّہ میں)۔آپ ؓ نے پھر پوچھا یہ جگہ کہاں ہے......؟،اس نے کہا "ذات لظی" (لپیٹنے والی آگ) میں۔آپ ؓ نے فرمایا جلد گھر پہنچو کہ تمہارے گھر والے سب جلے جاتے ہیں۔وہ گھر گیا تو دیکھا کہ واقعی سب کچھ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ناموں کی تاثیر اور اثر کیا ہوتا ہے اور یہ بھی کہ حضرت عمر ؓ کیسے صاحب فراست ولی اللہ صحابی تھے۔

(۱) صحیح مسلم

رسم ختنہ وعقیقہ:

ختنہ وعقیقہ اہل اسلام کے شعار ہیں،بچے کی ولادت کے بعد ماں باپ ان کے ختنہ وعقیقہ کے موقع پر عزیز واقارب کو دعوت دیتے ہیں اور ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں۔شہری علاقوں میں ختنہ بچے کی پیدائش کے دوسرے تیسرے روز اسپتال میں ہو جاتی ہے اور عموماً اس موقع پر کوئی تقریب نہیں ہوتی،مگر دیہاتوں میں اس پر شادی کی سی خوشی کا سماں ہوتا ہے۔باجے گاجے اور ڈھول تاشے کا انتظام کیا جاتا ہے اور برادری کے افراد اس موقع پر بچے کو مٹھائی اور بچے کے والدین کو نقدی کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔

گاؤں دیہاتوں میں اس موقع پر یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ رسم ختنہ دھوم دھام سے کی جائے یا نہ،اور یہ مسئلہ عموماً ایسے گھرانوں میں پیش آتا ہے جو مالی اعتبار سے درمیانے درجے کے ہوتے ہیں۔خواتین کا اصرار ہوتا ہے کہ یہ تقریب دھوم دھام سے ہو اور پوری برادری کو بلایا جائے،اگر ان سے یہ کہا جائے کہ ختنہ تو بغیر کسی تقریب کے بھی ہو سکتی ہے تو وہی جواب ملتا ہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** انہوں نے اپنے بچے کی ختنہ پر خوشی نہیں کی۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ختنہ زیادہ سے زیادہ ساتویں روز ہو جانی چاہیے اس میں تاخیر مناسب نہیں (۱)۔(حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالیٰ

(۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے ختنہ کی مدت سات سال سے بارہ سال تک ہے اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ ولادت کے ساتویں دن بعد ختنہ کرنا جائز ہے۔

عنہما کی ختنہ ساتویں روز ہوئی) لیکن اگر تاخیر ہو تو بالغ ہونے سے پہلے پہلے ختنہ کرنا ضروری ہے اور اگر کسی سبب کسی کی ختنہ بلوغ تک نہ ہو سکے یا کوئی بڑی عمر کا شخص اسلام میں داخل ہو تو اس عمر میں بھی (ختنہ کرانا اگر ممکن ہو تو) ختنہ کرائی جا سکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔

حضرت عثیم بن کلیب کہتے ہیں،میرے دادا نے اسلام قبول کیا۔تو حضور ﷺ نے فرمایا:"حالت کفر کے بال منڈوادو،اور ختنہ کرواؤ"۔(۱)

امام زہری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:۔

مَنْ اَسْلَمَ فَلْیَخْتَتِنْ اِنْ کَانَ کَبِیْرًا (۲)

کہ جو کوئی اسلام میں داخل ہوا اسے ختنہ کرانی چاہیے اگر چہ وہ عمر میں بڑا ہی کیوں نہ ہو۔(۳)

صحیح بخاری ومسلم کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ اسی (۸۰) برس کی عمر میں ہوئی۔

آج اگر کسی عمر رسیدہ شخص سے کہا جائے کہ اگر آپ کی ختنہ نہیں ہوئی تو ختنہ کرائیے۔تو اس کا جواب جو عام لوگوں سے سننے کو ملے گا وہ یہی ہے کہ بھئی اس عمر میں ختنہ کرانے جائیں گے تو **"لوگ کیا کہیں گے"**

(۱) سنن ابوداؤد،ومسند امام احمد بن حنبل، (۲) مرویات امام زہری عن حرب

(۳) اس حدیث شریف سے مراد ہے کہ اگر وہ ختنہ کرانے کی طاقت واستطاعت رکھتا ہو جیسے بوڑھا آدمی مشرف با اسلام ہوا جس میں ختنہ کرانے کی طاقت نہیں تو ختنہ کرانے کی حاجت نہیں،بالغ شخص مشرف با اسلام ہوا اگر وہ خود ہی اپنی ختنہ کر سکتا ہے تو اپنے ہاتھ سے کر لے ورنہ نہیں ہاں اگر ممکن ہو کہ کوئی عورت جو ختنہ کرنا جانتی ہو اس سے نکاح کرے تو نکاح کر کے اس سے ختنہ کرالے (فتاویٰ ہندیہ) وہ اس لیے کہ ختنہ کرانا سنت ہے اور ستر عورت فرض ہے۔

بعض فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ غیر مختون شخص (جس کی ختنہ نہ ہوئی ہو) کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اس کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھایا جائے۔(۱)

فقہ حنفی کے مطابق بچوں کی ختنہ کرانا سنت ہے۔بعض افریقی ممالک میں بچیوں کی ختنہ کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔

عقیقہ بڑی عمر میں بھی کیا جا سکتا ہے:

عقیقہ ایک مسنون عمل ہے،جس کی فضیلت حدیث شریف میں بیان ہوئی ہے۔آج کل عقیقہ کی رسم نے اصل عقیقہ کی سنت کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔عقیقہ کے موقع پر بھی عموماً عزیز رشتہ داروں کو بلانے اور کھانا کھلانے کا رواج ہے۔اگر کوئی متوسط درجے کا شخص دعوت کا اہتمام نہ کر سکتا ہو تو اسے یہی بات کہہ کر اس پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ اگر عزیز واقارب کو عقیقہ کے موقع پر نہ بلایا تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت نہیں دی اور بخل سے کام لیا۔

شرعی اعتبار سے عقیقہ سنت ہے۔اگر ساتویں روز کیا جا سکے تو عین حکم سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہے اور اگر ساتویں روز نہ کیا جا سکے تو زندگی بھر کبھی بھی کیا جا سکتا ہے اور ثواب عقیقہ ہی کا ملے گا۔خود نبی اکرم ﷺ نے اپنا عقیقہ بڑی عمر میں کیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ:۔

اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِہٖ بَعْدَ النَّبُوَّۃِ (۲)

(۱) ماخوذ از کتاب تربیت اولاد،جلد اول،تالیف شیخ عبداللہ ناصح العلوان (۲) شرح شمائل ملا علی قاری،ج ۱،ص ۳۵

یعنی: آنحضرت ﷺ نے اپنا عقیقہ اعلان نبوت کے بعد کیا۔

بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اگر عقیقہ ساتویں روز نہ کیا جائے تو بعد میں کیے گئے عقیقہ کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت بھی نفلی صدقہ کی ہو جاتی ہے۔ یہ قیاس ہے، کیونکہ عقیقہ بذات خود فرض ہے نہ واجب بلکہ یہ اولاد ملنے پر شکر نعمت ہے اور شکر نعمت عمر بھر ہو سکتا ہے۔(۱)

یہ ایک مستحب امر ہے اور مستحب کام جب بھی کر لیا جائے گا تو ثواب حاصل ہوگا۔ ساتویں روز کرنا لازمی نہیں بلکہ حدیث شریف میں ساتویں روز کی قید و شرط نہیں۔

دیکھیے: صحیح بخاری، ترمذی، ابن ماجہ و نسائی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَّ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذىٰ

یعنی: بچے کے ساتھ عقیقہ ہے، پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو۔

اس میں ساتویں روز کی کوئی شرط نہیں اور ایسی احادیث اور بھی ہیں۔ جس حدیث شریف میں ساتویں دن عقیقہ کرنے اور نام رکھنے اور سر منڈانے کی تعلیم ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ اگر ساتواں روز گزر جائے تو اب ساری زندگی نہ اس کا عقیقہ کیا جائے، نہ نام رکھا جائے اور نہ سر منڈایا جائے۔ ہاں ساتویں روز کرنا سنت ہے اور بعد کو کرنا مستحب۔

(۱) فتاوی نوریہ، ج دوم، ص ۶۰

عقیقہ میں لڑکے کی جانب سے دو بکرے اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا یا بکری ذبح کیے جائیں۔ ضروری نہیں کہ لڑکے کی جانب سے بکرے ہی ہوں مادہ (بکری) کی قربانی بھی جائز ہے۔ اگر کوئی دو بکرے نہ کر سکتا ہو تو ایک ہی کر گزرے، حدیث شریف میں ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے ایک ایک دنبہ یا مینڈھا ذبح فرمایا۔(۱)

ضروری نہیں کہ عقیقہ کے موقع پر دعوت کی جائے اور لوگوں کو گھر پر مدعو کر کے کھانا کھلایا جائے لیکن اگر کوئی صاحب استطاعت ایسا کرے تو کوئی حرج بھی نہیں بلکہ محبت میں اضافہ، رزق میں برکت اور صدقہ کے ثواب کا باعث ہے۔

بچوں کی حضانت (دودھ پلانے) کا مسئلہ:

یوں تو پاکستانی معاشرہ میں الحمدللہ ۹۰ فیصد مائیں اپنے بچوں کو خود اپنا دودھ پلاتی ہیں مگر پھر بھی بعض سوسائٹیاں اور خاندان ایسے ہیں جہاں ماں کا بچے کو دودھ پلانا عیب سمجھا جاتا ہے اور ایسی کسی "ماڈرن ماں" سے کوئی کہہ دے کہ آپ اپنے لخت جگر کو خود دودھ کیوں نہیں پلاتیں تو جواب یہی ہوتا ہے کہ میں اگر بچے کو خود دودھ پلاؤں تو ہمارے خاندان اور سوسائٹی کے **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ بھینسوں والا کام شروع کر دیا ہے تم نے۔ بھئی میں عورت ہوں کوئی بھینس تھوڑی ہوں۔

اس طرح بچہ فیڈر پر آیا کے ہاتھوں میں پرورش پاتا رہتا ہے اور ماں کے

(۱) سنن بیہقی، ج ۹، ص ۲۹۹-۳۰۲

دودھ اور اس کی آغوش سے محروم رہتا ہے۔

بچوں کو دودھ پلانے کا حکم قرآنِ کریم میں ہے:۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (۱)

ترجمہ: یعنی مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔

چنانچہ مفسرین قرآن نے لکھا ہے کہ بچے کو دودھ پلانا دیانۃً ماں کے ذمہ واجب ہے، بلا عذر کسی ضد یا ناراضی کے سبب دودھ نہ پلانے والی گناہ گار ہوگی۔(۲)

اور بچے کو دو سال تک دودھ پلانا بچے/بچی کا حق ہے۔

ابتدائی تربیت کا مرحلہ:

بچے کی ابتدائی تربیت گاہ ماں کی گود ہے، جن بچوں کو ماں کی آغوش نصیب ہوتی ہے وہ فطری طور پر ماں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ابتدائی تربیت کے عرصہ میں ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ جلدی سے چند الفاظ بولنا سیکھ لے اور جب بچے کچھ بولنے کے قابل ہوتے ہیں تو ماڈرن مائیں "بابا" اور "ماما" یا "پپا" اور "مما" یا "ڈیڈ" اور "ممی" کے الفاظ رٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر No, Yes کی باری آتی ہے اور اس کے بعد ABC اور 123 کا نمبر۔ جو بچہ کمسنی میں اس قسم کے الفاظ یا چند ڈائیلاگ سیکھ جائے اس کے والدین خود کو بڑا خوش قسمت سمجھتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں میں ان بچوں سے اس طرح کے الفاظ بلوا کر اپنی ناک اونچی

(۱) سورۃ البقرہ/۲۳۳ (۲) تفسیر مظہری و معارف القرآن، سورۃ بقرہ آیت ۲۳۳

کرنے کے زعم میں رہتے ہیں اور اگر کوئی بچہ دو اڑھائی برس تک اس طرح کا کوئی کرتب نہ کر دکھائے تو بعض مائیں تشدد پر اتر آتی ہیں، انہیں اس سے منع کیا جائے تو کہتی ہیں، اتنا بڑا ہو گیا ہے ابھی اسے ABC نہیں آتی۔ **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ ان کا بچہ اتنا DULL (احمق) ہے کہ اسے چند حرف بولنا نہیں آتے......؟

مذہبی گھرانوں کے والدین اپنے بچوں کو پہلے تو اللہ کا نام لینا سکھایا کرتے تھے مگر اب ادھر بھی الا ماشاءاللہ صورت حال ایسی ہی ہے اور زور انگریزی کے چند حروف رٹانے پر۔ آخر جاہل ماؤں کی جگہ پڑھی لکھی مائیں جو لے رہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلُ كلمة بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یعنی: اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لا الہ الا اللہ سکھاؤ۔(۱)

گویا ایک مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والے بچے کی ابتدائی تربیت اللہ کے نام سے اور اس کی توحید کی تعلیم سے شروع ہونی چاہیے۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم کے لیے بچوں کو مسجد یا مکتب بھیجنے کا دستور آغاز اسلام سے چلا آتا ہے، مگر اب کچھ عرصہ سے مسجد یا مکتب کی بجائے ایلیمنٹری اسکولوں میں بچوں کو

(۱) سنن بیہقی

بھیجنے کا رواج عام ہوگیا ہے، جہاں بچے فیشن پرست، مغرب زدہ، اسلام بیزار دوشیزاؤں سے تعلیم وتربیت پانے جاتے ہیں۔ان بچوں کے والدین اپنے علاقے کے مہنگے ترین اسکول کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو فخریہ انداز میں بتاسکیں کہ ان کے بچے فلاں انگلش میڈیم اسکول میں جاتے ہیں۔اگر خاندان کا کوئی بزرگ یا عزیز یہ مشورہ دے دے کہ بھئی اس مرحلہ پر بچوں کی تعلیم کا اتنا خرچ کرنا اور بچوں پر اتنا بوجھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے تو یہی جواب ملتا ہے، اسکول تو قریب میں بھی بہت ہیں، اور بات آپ کی صحیح بھی ہے کہ اتنے بھاری بھرکم بیگ بچوں کو کیوں اٹھوائے جائیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ پھر **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ بچے کو کسی ڈھنگ کے اسکول میں نہیں ڈالا۔

ہمارے ایک مہربان ہیں جن کا ایک ہی بچہ ہے اور میں اس کی ڈرامائی ولادت کی وجہ سے اسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی سمجھتا ہوں۔ہمارے ان کرم فرمانے اپنے اس بچہ کو کبھی گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں رکھنے دیا کہ محلے کے بچوں کے جراثیم اسے لگ جائیں گے۔نتیجہ یہ ہے کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہوکر رہ گیا ہے۔اونچے درجے کے اسکولوں میں پڑھانے کے روشن خیال خبط نے اسے کم سنی میں والدین سے جدا ہونے پر مجبور کیا اور لارنس کالج (مری) کے ابتدائی اسکول میں بھیجا گیا، مگر باپ کی ناک اونچی رکھنے کے سفلی جذبے نے اس بچے کی صلاحیتوں کو بیکار کرکے رکھ دیا اور وہ کہیں کا نہیں رہا۔اس میں سراسر قصور اسی نعرۂ نفس کا ہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ

بچے کو بھی اپنی طرح مولوی بنادیا......؟

بعض لوگ مساجد اور مکتب میں بچوں کو محض اس لیے نہیں بھیجتے کہ وہاں غریبوں اور متوسط درجہ کے لوگوں کے بچے پڑھتے ہیں، جن کے ساتھ بیٹھنا، بٹھانا گوارا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ نفس پرستی کے سوا اور کچھ نہیں اور حیرت اس وقت ہوتی ہے جب لوگوں کے بچوں کو دینی تعلیم وتربیت کی ترغیب دینے والے اور منبروں پر بیٹھ کر فضیلت علم پر دھواں دھار تقریریں کرنے والے خود اپنے بچوں کو مدرسہ کی بجائے ماڈرن اسکول میں داخل کروانے کے لیے دراہم کی تھیلیاں لیے سفارش کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

دینی مدارس کی تعلیم سے گریز کیوں؟:

زمیندار، تاجر اور بیوروکریٹس جن کے ذرائع آمدنی لامحدود ہوتے ہیں، وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلوانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے۔الّا یہ کہ گھرانہ بہت ہی مذہبی ہو۔میں نے ایک صاحب سے جو کم وبیش ستر، اسی پوتوں، نواسوں کے دادا، نانا تھے سوال کیا کہ آپ کے سب بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کو میں جانتا ہوں، مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو کسی دینی مدرسہ میں پڑھتا ہو۔سب اسکولوں اور کالجوں میں پڑھ رہے ہیں جبکہ آپ ایک درویش منش اور عالموں کے قدردان انسان ہیں، تو انہوں نے کہا کہ:

یہ اس خوف سے مدرسہ کا رخ نہیں کرتے کہ انہیں کل کلاں مسجد میں اذان و

امامت نہ کرانی پڑ جائے۔میں نے کہا، اور اگر ایسا ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ کہا اس سے ان کی خاندانی حیثیت متاثر ہوگی۔لوگ انہیں پھر مہر صاحب کی بجائے مولوی صاحب کہیں گے۔میں نے کہا یہ تو بہت ہی عجیب فکر ہے کہ دین داروں اور دینی علوم حاصل کرنے سے صرف اس لیے دور ہیں کہ **"لوگ کیا کہیں گے"**۔

تھوڑی دیر بعد سیاست پر گفتگو ہونے لگی اور بات ہوتے ہوتے مذہبی، سیاسی جماعتوں اور پھر علماء تک جا پہنچی۔مہر صاحب نے مولویوں کو دنیا کا جاہل ترین طبقہ ثابت کیا اور کہا کہ ان میں خاندانی لوگ بہت کم ہوتے ہیں، میں نے کہا ظاہر ہے جب **"خاندانی لوگ"** دینی علوم حاصل نہیں کریں گے تو **"خاندانی لوگ"** اس شعبہ میں کم ہی ہوں گے۔مگر آپ یہ بتائیے کہ جن شعبوں میں خاندانی لوگ زیادہ ہیں کیا وہاں علم کا غلبہ اور دیانت داری کا زور ہے یا بے علمی اور بددیانتی کا عروج؟ اس کا جواب ان کے پاس کوئی نہیں تھا، مگر میں نے ان کی گفتگو سے محسوس کیا کہ زمیندار، وڈیرے، تاجر اور بیوروکریٹس دینی تعلیم سے اس لیے کورے ہیں کہ ان کے لیے دینی تعلیم حاصل کرنا باعث ننگ وعار ہے۔ان کے دو بیٹے اسلام آباد میں مقیم اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے اور باقی زمینداری وکاروباری لائن میں۔مگر کسی کی اولاد کو بھی دوسرا کلمہ تک صحیح نہیں آتا تھا۔مہر صاحب کو اس بات پر بھی تعجب تھا کہ راقم کے والد اپنے خاندان، زمینوں اور کنبے قبیلے کو چھوڑ کر عالم بنے تھے اور بیٹے کو بھی اسی لائن پر لگادیا۔کہنے لگے بیٹا! تمہارے والد بڑے نیک انسان تھے، انہوں نے مدرسوں کی

خاطر گھر بار اور خاندان چھوڑ دیا اور تم لوگوں کو بھی برادری سے دور کرکے غربت کی زندگی میں مبتلا کیا۔اب تمہارا خیال ہے کہ میں بھی تمہارے والد کی طرح اپنے پوتوں، نواسوں کو ان کے خاندان سے نکال دوں اور مسیتڑ (مسجد سے چپکا رہنے والا) بنادوں؟ بتاؤ...... **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ مہر کو کس چیز کی کمی تھی جو بچوں کو در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا اور انہیں مدرسہ اور مولویوں کے حوالے کر دیا؟ ہمارے ہاں ایک حافظ آتا ہے ان بچوں کو قرآن پڑھا جاتا ہے یہی ہمارے لیے کافی ہے۔

لڑکپن کا حال:

بچے جب سات برس کے ہوجائیں تو اس عمر میں انہیں نماز کی تعلیم دی جانی چاہیے کہ اس عمر میں بچوں کو نماز کی تعلیم دینے کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ هُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَّ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ (۱)

یعنی: بچے جب سات برس کے ہوجائیں تو انہیں نماز کے لیے کہو، اور جب دس برس کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر انہیں سزا دو، اوران کے بستر الگ کردو۔

اکثر والدین بچوں کو اس عمر میں نماز کی تاکید نہیں کرتے، مائیں خاص طور

(۱) سنن ابوداؤد

سے نہیں کہتیں اور اگر کوئی انہیں سمجھائے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ آپ کی بات ٹھیک ہے مگر ابھی تو یہ بہت چھوٹا ہے۔ اسلام میں اتنی سختی نہیں جتنی آپ لوگوں نے بنا رکھی ہے، بڑا ہو کر خود ہی پڑھنے لگے گا۔ حالانکہ بچپن سے بچوں کو نماز کا عادی نہ بنایا جائے تو بڑے ہو کر وہ کبھی نماز نہیں پڑھتے۔ (الا ماشاء اللہ)

اگر کوئی والد اپنے بچے کو نماز نہ پڑھنے پر مارے تو کہا جاتا ہے، اتنی سی بات پر آپ اسے مار رہے ہیں، **"لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے"**، ماؤں کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ بچوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ مہربان ہیں؟ وہ جن کی رحمت سارے جہانوں کے لیے ہے، وہ فرماتے ہیں اس عمر میں انہیں سختی سے نماز کے لیے کہو، ضرورت پڑے تو مارو، اور آپ فرماتی ہیں اسلام میں اتنی بھی سختی نہیں جتنی آپ لوگ بتاتے ہیں۔

رسم بسم اللہ یا آمین:

بچپن کی ایک رسم، رسم بسم اللہ یا رسم آمین بھی ہے یہ عموماً بچے کے قرآن کریم پڑھ لینے پر ادا کی جاتی ہے۔ اور اس میں بھی اکثر اوقات عزیز و اقارب کو جمع کیا جاتا ہے پھر کوئی قاری صاحب بچے کو بسم اللہ پڑھاتے ہیں۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جب بچہ قرآن کریم مکمل پڑھ چکا ہو تو اس وقت اسے بسم اللہ پڑھائی جائے؟ بسم اللہ پڑھنے پڑھانے کا حکم تو کسی کام کے آغاز کے

لیے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ اَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَمْ يُبْدَاءُ بِاسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ

کہ ہر وہ کام جو بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جائے وہ نا تمام ہی رہتا ہے۔

قرآن کریم کی تکمیل پر تو الحمد للہ کہنا چاہیے کہ یہ شکر کا موقع ہے اور شکر کے لیے الحمد للہ کے الفاظ نہایت موزوں ہیں۔ اس تقریب بسم اللہ میں شریک لوگوں کو مٹھائی یا کھانا کھلایا جاتا ہے اور اہتمام کرنے والے اگرچہ اللہ کے حضور اظہار تشکر کے لیے ایسا کرتے ہیں لیکن اس میں بھی ریا کا پہلو کسی نہ کسی طور پر شامل ہو ہی جاتا ہے، مثلاً اگر صاحب خانہ نے عام سا کھانا کھلانے یا سادگی سے تقریب کرنے کا ارادہ کیا تو گھر کے دیگر افراد خصوصاً خواتین فوراً اعتراض کرتی ہیں، کہ اس طرح سادگی سے تقریب کریں گے تو **"لوگ کیا کہیں گے"** انہیں اپنے بچے کی رسم بسم اللہ پر بھی چار پیسے خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

روزہ کشائی:

چھوٹے چھوٹے بچوں کو محض دکھاوے اور رسم کی خاطر رمضان المبارک میں ایک دن کا روزہ رکھوایا جاتا ہے اور چھوٹے سے بچے کو خواہ مخواہ میں بھوک پیاس برداشت کرنے کے عمل سے گزار کر اپنی خواہش نفس کی تسکین کی جاتی ہے تا کہ لوگ کہیں کہ ان کے بچے نے روزہ رکھا ہے ماں اور دیگر خواتین افطار کے وقت اپنے ہاتھ سے بچے کو نوالے کھلاتی ہیں اور آس پڑوس کی وہ خواتین جنہیں تقریب میں بلایا

گیا ہوتا ہے وہ بچے کو نقدی دیتی ہیں۔ حالانکہ روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں وہ تو خواہشات نفس کے خلاف ایک طرح کا جہاد ہے مگر اس عبادت کو بھی روزہ کشائی کی تقریب کے نام سے خواہش نفس کی تکمیل اور ریا و نمود کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس بچے کی روزہ کشائی ہے اگر وہ بھوک پیاس برداشت نہ کرے اور کچھ کھانے پینے پر اصرار کرے تو اسے سکھایا جاتا ہے کہ چھپ کر کھا پی لو اور دیکھو کسی کو بتانا نہیں، **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ اس نے روزہ توڑ رکھا نہیں اور روزہ کشائی ہو رہی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بچے کی روزہ کشائی کی رسم پر زور ہے مگر اس پر کوئی توجہ نہیں کہ گھر کے تمام بالغ افراد باقاعدگی سے روزہ رکھ رہے ہیں یا نہیں، اور اگر رکھ رہے ہیں تو روزے کے تقاضے بھی پورے کر رہے ہیں، یا محض بھوک پیاس کا دور چل رہا ہے؟

پاکیزگی اور صفائی ستھرائی:

ہر ماں اپنے بچوں کو صاف ستھرا رکھنا چاہتی ہے۔ مگر صفائی کا یہ اہتمام نیت کی صفائی سے خالی ہوتا ہے اگر صفائی ستھرائی کا مقصد بچوں کو واقعتاً پاک صاف رکھنا ہو اور اس بنا پر ہو کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ

صفائی ایمان کا حصہ یا نصف ایمان ہے۔

تو اس پر اجر بھی ملے گا کہ حکم خدا پر عمل اور اطاعت رسول ﷺ کو اختیار کرنے

سے اللہ کے یہاں اجر ملتا ہے، مگر افسوس کہ یہاں بھی مقصد نہ حقیقی پاکیزگی کا حصول ہے اور نہ اتباع رسول ﷺ، بلکہ بچے گندے ہوں تو ان سے یہی کہا جاتا ہے کہ "چلیے کپڑے تبدیل کیجئے"...... **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ آپ کتنے گندے اور باں باں بچے ہیں۔

بچوں کے کپڑے میلے ہوں اور وہ باپ کے ساتھ بازار جانے پر اصرار کریں تو باپ اسی لیے لے کر نہیں جاتا کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو گندا رکھتے ہیں۔ گویا صفائی بھی اب محض دکھاوے کی چیز ہو گئی۔

بچوں کا کھانا پینا:

بچوں کو یوں تو گھر میں کھانے پینے کی آزادی ہوتی ہے لیکن جب کوئی مہمان آنے والے ہوں تو بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ:۔ دیکھو مہمانوں کے سامنے بسکٹ نہیں مانگنا، ان کے ہاتھ سے کھانے کی کوئی چیز نہ لینا اور ان کی موجودگی میں ہم سے کھانے کی کوئی چیز طلب نہ کرنا...... ورنہ...... **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ ان کے بچے بھوکے ہیں۔ انہوں نے کبھی کوئی چیز نہیں کھائی............

کسی کے یہاں مہمان جانا ہو تو بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔ وہاں جا کر شرارتیں نہ کرنا، ان کی چیزوں کو نہ چھیڑنا...... ورنہ...... **"لوگ کیا کہیں گے"** یہ بچے کتنے شرارتی ہیں۔

بالغ اولاد:

بچے جب بالغ ہوتے ہیں تو فطری طور پر ان میں جنس مخالف کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے غیر اخلاقی ذرائع استعمال کرنے لگتے ہیں۔ جن میں فحش فلموں کا مشاہدہ، جنسی کہانیوں کا مطالعہ اور ایسے گانے سننے کا شوق جن میں محبوب کی اداؤں اور پیار کے جملوں کی تکرار ہو۔ لڑکیاں ہوں یا لڑکے اب تو میڈیا نے سب کو جنسیات کا رسیا بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کالجوں اور ہائی اسکولوں کے طلبہ وطالبات میں Sex عروج پر ہوتا ہے۔ اب بچے بالغ ہونے کی عمر سے قبل ہی بالغ ہورہے ہیں، والدین کا رعب داب اور کنٹرول ختم ہورہا ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعہ ملنے والی انٹرنیٹ کی سہولت نے اب تقریباً ہر (شہری) گھر میں فحش تصویریں پہنچا دی ہیں۔ نوجوانوں کے افسردہ زرد زرد چہرے بتاتے ہیں کہ انہوں نے جنسی تسکین کا سامان کسی نہ کسی صورت میں کر رکھا ہے، ورنہ اس عمر میں چہرے پر شادابی اور نور ہونا چاہیے جس سے ۹۹ فیصد طلبہ وطالبات کے چہرے محروم ہیں مخلوط تعلیم (Co-Education) نے اورل سیکس (Oral Sex) کا راستہ ہموار کردیا ہے جو بڑھتے بڑھتے (Home Sex) تک لے جاتا ہے۔

عصری درسگاہوں کی بے حیا تعلیم اور آزاد ماحول نے ہم جنس پرستی جیسے اشغال اور بدکاری کو محبت (Love) کا نام دے کر پروان چڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ والدین یہ سب جانتے ہوئے بھی اپنی جوان بچیوں کو مخلوط تعلیم کے اداروں

میں جانے سے روک نہیں سکتے۔ کسی بچی کے والدین سے پوچھ کر دیکھ لیجئے کہ ایسے پرُ خطر ماحول میں جوان بچی کو بھیجنے پر کیا چیز آپ کو مجبور کرتی ہے تو جواب یہی ہوگا کہ کیا کریں تعلیم نہ دلوائیں تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ بچی تعلیم یافتہ نہیں، اس کے لیے کوئی مناسب رشتہ نہیں ملے گا۔ حالانکہ اسی عمر میں جب بچیاں کالج جانے لگتی ہیں، رشتے آنے لگتے ہیں اور والدین بڑی بے نیازی سے ان رشتوں کو یہ کہہ کر دھتکار دیتے ہیں کہ **"بچی ابھی پڑھ رہی ہے"**۔ گریجویشن کرلے تو پھر دیکھیں گے اور جب بچی گریجویشن کرلیتی ہے تو سہیلیاں مشورہ دیتی ہیں کہ اب ایم اے بھی کرہی لو۔ مگر مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ ادھر بچی نے ایم اے میں قدم رکھا ادھر رشتے آنے بند ہوئے۔

جن لوگوں کی خاطر تعلیم دلوا رہے تھے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** بچی کم پڑھی لکھی ہے۔ اب وہی لوگ یہ کہہ کر رشتہ دیکھ کر انکار کردیتے ہیں کہ بچی زیادہ پڑھی لکھی ہے۔ (یعنی زیادہ عمر کی ہوگئی ہے) ہم تو کوئی ٹین ایجر (Tean Ager) دیکھیں گے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جو ماں اپنی بچی کا رشتہ اس کے میٹرک کرنے کے بعد یا کالج کے زمانے میں دینے سے انکاری ہوتی ہے وہی جب اپنے بیٹے کے لیے رشتہ ڈھونڈنے نکلتی ہے تو ۱۶ سے ۱۹ برس کے مابین عمر رکھنے والی لڑکی تلاش کرتی نظر آتی ہے اور بیس سال سے اوپر کی لڑکیاں اس کی ناک پر نہیں چڑھتیں، کیونکہ ان کے نقش ماند پڑ چکے ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں کی قدرتی شادابی پر خزاں کی بہار آچکی ہے۔ (۱)

(۱) تفصیلات کے لیے مطالعہ کیجئے ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب کی کتاب "شرعی حیثیت" ص ۷۹ تا ۸۶

اسلام کیسا سنہری مذہب ہے اور اس کے اصول کس قدر شاندار اور جاندار ہیں، حکم رسول مقبول ﷺ ہے:۔

مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ وَ اَدِّبْهُ فَاِذَا ابَلَغَ فَلْيُتَزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَ لَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى اَبِيْهِ (۱)

یعنی: جس کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو اس کا اچھا سا نام رکھنا چاہیے اور اس کی بہترین تربیت کرنی چاہیے۔ جب وہ بالغ ہوجائے تو اسے چاہیے کہ اس کی شادی کردے اور اگر بالغ ہونے پر وہ اس کی شادی (کا انتظام) نہیں کرتا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے گناہ کا وبال اس کے والد کے سر ہوگا۔

اسی طرح بچیوں کے بارے میں اسلام کی ہدایت ہے کہ:

مَنْ بَلَغَتْ اِبْنَتَهُ اِثْنَى عَشَرَةَ سَنَةً وَّ لَمْ يُزَوِّجْهَا فَاَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ (۲)

جس کی بیٹی بارہ برس کی ہوجائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے پھر وہ بچی کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کا وبال اس کے والد پر ہے۔

اس حدیث میں بچیوں کی شادی کی عمر بارہ برس بتائی گئی ہے جو عرب ماحول اور آب وہوا میں بالغ ہونے کی ابتدائی عمر ہے۔ بلکہ اب تو دنیا کے دیگر خطوں میں بھی بارہ برس کی بچیاں میڈیا کے اثر سے جوان ہونے لگی ہیں اور جوانی کی علامات، سینے کا

(۱) سنن بیہقی (۲) جامع ترمذی

ابھرنا، ماہواری کا جاری ہونا ہے اور اسلام نے شادی کا وقت بلوغ بتایا ہے، یعنی جب بالغ ہونے کی علامتیں ظاہر ہوجائیں۔

آج کسی سے یہ کہیے کہ وہ بچی کا نکاح اس کے بالغ ہوتے ہی کیوں نہیں کرتا تو جواب یہی ہوگا کہ جناب اتنی چھوٹی عمر میں کیسے نکاح کیا جائے **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ اتنی چھوٹی عمر میں بچی بیاہ دی۔ (اس سلسلہ میں مصنف کا مضمون "نکاح کی بہترین عمر" کے عنوان سے جو "چند فقہی معاملات کی شرعی حیثیت" میں شائع ہوا ہے۔ اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا)۔

آج جو **"ضرورت رشتہ"** کے اعلانات سے اخبارات پرُ ہیں، تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ آغاز شباب پر رشتے کیے نہیں جاتے اور بعد میں رشتے لیے نہیں جاتے لیکن اگر اس وقت جب رشتے آرہے ہوتے ہیں شیطان کے اس قول **"لوگ کیا کہیں گے"** کی پرواہ نہ کی جائے تو بعد میں پیش آنے والی ہر طرح کی ناخوشگوار صورتحال سے بچا جاسکتا ہے اور اگر انسان اسی چکر میں پڑا رہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** تو پھر وہ مصائب ومشکلات کے ایسے جال میں پھنسے گا کہ اس کا اس سے نکلنا دشوار ہوجائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَا جَاءَ كُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِيْضٌ (۱)

(۱) جامع ترمذی

یعنی: جب تمہارے پاس ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے دین واخلاق کو تم پسند کرو تو اس کو رشتہ دے دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو روئے زمین پر زبردست فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔

اس حدیث شریف کو دوبارہ پڑھیے اور پھر دیکھئے کہ نیک سیرت اور شریف رشتوں کو ٹھکرا دینے کے بعد صورت حال کیا پیدا ہو رہی ہے۔ کیا ہزاروں تعلیم یافتہ بچیاں، جن کے رشتے اوائل عمری میں آئے تھے اور ٹھکرا دیئے گئے تھے وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد رشتوں کے انتظار میں بیٹھی بوڑھی نہیں ہو رہی ہیں؟ اور فتنہ وفساد کا موجب نہیں بن رہی ہیں؟

اولاد اور خدمت والدین:

والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ بچے بڑے ہو کر ان کی خدمت کریں۔ مگر اس وقت اولاد کے جو لچھن دیکھنے میں آ رہے ہیں، اس کے پیش نظر شاید یہ خواہش بھی اب ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر نظر آنا ممکن نہیں۔ سوچنا چاہیے کہ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اولاد والدین کی اس قدر نافرمان کیوں ہوتی جا رہی ہے؟ ٹھنڈے دل سے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں کچھ قصور خود والدین کا بھی ہے جو عمر تربیت کرنے کی تھی اس عمر میں محبت کا غلبہ اس قدر رہا کہ باپ نے ذرا ڈانٹا تو ماں فوراً آڑے آئی۔ اے ہائے بچہ ہے، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ ذرا بڑا ہوگا تو خود مسجد جانے لگے گا، سارے کام بھاگ بھاگ کر کرے گا میرا چاند............

اور چاند جب بڑا ہو جاتا ہے تو پھر اسے ماحول کے ستارے اس طرح گھیرتے ہیں کہ وہ ان کے جھرمٹ میں ہی چمکنا پسند کرتا ہے اور اس کے اپنے گھر کے آنگن پر تاریکی کے مہیب سائے چھا جاتے ہیں اگر اس نور نظر کی تربیت مناسب انداز میں کی گئی ہوتی تو اس کا کردار خاندان بھر کے لیے ہی نہیں پورے معاشرے کے لیے قابل رشک ہوتا۔ مگر وہ جو تربیت کا زمانہ تھا وہ تو اسی شیطانی قول کی بھینٹ چڑھ گیا کہ اسے ڈانٹو نہیں، نماز نہ پڑھنے پر مارو نہیں ورنہ **"لوگ کیا کہیں گے"**۔

اللہ کے رسول ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا:

یا رسول اللہ ﷺ اولاد پر والدین کا حق کس قدر ہے......؟ آپ ﷺ نے فرمایا...... "وہ تمہاری جنت و دوزخ ہیں"۔

یعنی ان کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لو گے تو گویا جنت مل گئی اور ان کی نافرمانی کر کے ان کا دل دکھا کر تم نے ان کی زبانی کھلوائی تو جہنم تمہارا مقدر بنے گی۔

بچوں کی مناسب تربیت والدین کی ذمہ داری ہے لیکن اگر والد والدہ دونوں اپنے اپنے دوستوں اور اپنے اپنے مشاغل میں گھرے رہیں اور بچوں کو بے رحم معاشرے کے حوالے کر دیں تو ان کا مجرم بننا اور پھر ماں باپ کی روک ٹوک پر انہیں خبطی بتانا ایک لازمی امر ہے۔

خوشی کے مواقع پر شادی بیاہ کی رسومات کے مراحل:

شادی بیاہ کے موقع پر جو رسومات ادا کی جاتی ہیں ان میں سے بیشتر

ریاکاری اور نمود ونمائش پر مبنی ہیں۔ منگنی، مہندی اور اس طرح کی دیگر رسومات پر اٹھنے والے اخراجات اسراف کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں۔ خاندان میں شادی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے اور بیرون خاندان شادی پر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شان وشوکت دکھانے کا خبط اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بہت سی بچیوں کی شادیاں رک گئی ہیں اور ان پر اب یہ مثال صادق آنے لگی ہے کہ "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" جب دولت کی فراوانی نہیں ہوگی اور فضول رسموں پر لٹانے کے لیے لامحدود سرمایہ نہیں ہوگا تو شادی کیسے ہوگی۔ فضول رسموں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے تعلیم سے فارغ ہو کر یا تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیاں اپنی عصمتوں کو داؤ پر لگائے ملازمتیں کرنے پر مجبور ہیں تاکہ چند ٹکے جمع کر کے وہ من پسند بلکہ جگ پسند جہیز تیار کر سکیں۔

کسی سے کہہ کر دیکھئے کہ منگنی کی رسم خاموشی اور سادگی سے کر لے، خاتون خانہ محلے بھر کی خواتین کو جمع کر لے گی جو بیک زبان یہ فلسفہ بگھاریں گی کہ واہ صاحب منگنی پہ کوئی تقریب نہیں ہوگی، خاموشی سے منگنی کریں گے تو **"لوگ کیا کہیں گے"**۔

منگنی کے بارے میں ہمارا مذہب کیا کہتا ہے؟ اسے کوئی نہیں دیکھتا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم ایسی فضول رسموں کے لیے سنایئے تو صاف کہہ دیا جاتا ہے، اجی رہنے دیجئے ان مولویوں کی باتوں کو۔

سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

"منگنی کو چھپاؤ اور نکاح کا اعلان کرو"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَظْهِرُوا النِّكَاحَ وَاخْفُوا الْخِطْبَةَ

یعنی: نکاح اعلانیہ کرو اور منگنی کو خفیہ رکھو۔(۱)

مگر اب جس قدر اہتمام مہندی ومنگنی کی رسم کا ہونے لگا ہے اتنا شادی کا بھی نہیں ہوتا۔ مہندی اور منگنی کی رسم ادا کرنے جوان لڑکیوں کی ایک ٹولی جاتی ہے جو سب کی سب سر برہنہ ہوتی ہیں، گویا ننگے سر اور کھلے بال نہ ہوئے تو منگنی نہیں ہوگی یا مہندی کا رنگ پھیکا رہ جائے گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ دلہن کے گھر کے تمام مرد اور اس محلّہ کے اکثر نوجوان آنے والیوں کا اپنی بدکار نگاہوں سے اس طرح استقبال کرتے ہیں، ہے کوئی اسے روکنے والا؟ مووی بنوانے کے شوق میں لڑکیاں، کیا کیا پاپڑ نہیں بیلتیں اور کیسے کیسے کیمیاوی لوشن اور پاؤڈر چہروں پر تھوپ کر نہیں جاتیں۔ بے پردگی کا یہ سماں اور اپنی زیب وزینت غیروں پر ظاہر کرنے کا یہ اہتمام، کیا یہ اللہ کے دین سے کھلی بغاوت نہیں، منگنی کے لیے آنے یا جانے والی ان بن بیاہی دلہنوں سے کوئی کہہ کر تو دیکھے کہ بیٹی تمہارا دوپٹہ کیا ہوا؟ وہی شیطانی جواب ملے گا، اچھا اب ہم شادی بیاہ میں بھی اوڑھنی اور دوپٹے کے چکر میں رہیں تو **"لوگ کیا کہیں گے"**؟

منگنی کے موقع پر دلہن کو تحفے اور نقدی دینے کا رواج ہے اور اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ تحفے اعلیٰ درجے کے ہوں یا کم از کم دیکھنے میں ضرور

---

(۱) کنز العمال، ج ۴۴۵۳۲، بحوالہ الدیلمی مسند الفردوس

اعلیٰ درجے کے نظر آئیں۔ ہونے والا دولہا اپنے ہاتھ سے اپنی منگیتر کا نازک ہاتھ تھام کر اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنائے تو یہ منگنی بڑی ہی سوشل اور معاشرتی رواج کے مطابق قرار پائی ہے اور اگر لڑکا یہ کہہ دے کہ میں ایک نامحرم لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی نہیں پہناؤں گا تو بس گھر میں فساد شروع، آس پڑوس کی خواتین کو وعظ کے لیے جمع کیا جائے گا جو اسے سمجھائیں گی کہ اتنا بھی قدامت پسند اور ملا بننے کی ضرورت نہیں، یہ آج کل کا رواج ہے۔ تم ایسا نہیں کرو گے تو لڑکی والوں کے یہاں ہماری عزت نہیں رہے گی آخر **"وہ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے"**۔ ایک ذرا سی انگوٹھی پہنانے کے مسئلے کو اتنا بڑا مسئلہ مت بناؤ کہ خاندان کی عزت داؤ پر لگ جائے۔ آخر وہ تمہاری بیوی ہی تو ہے۔ کل جب تمہارے گھر آئے گی تو ہاتھ نہیں لگاؤ گے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منگنی ہو جانے سے اسے بیوی بننے کا مرتبہ کیسے حاصل ہو گیا، منگنی تو ایک کچا دھاگہ ہے جو کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا ہے۔ کیا معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے اردگرد میں منگنیاں ہو کر ٹوٹتی نہیں؟ پھر ایک نامحرم لڑکی کو انگوٹھی پہنانے کا رواج آخر کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ محرم تو وہ نکاح سے بنے گی اور نکاح کی نوبت اللہ بہتر جانتا ہے آئے گی یا نہیں۔ مگر ان تمام باتوں کا جواب بس وہی گھڑا گھڑایا ہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"**۔

لڑکا منگنی یا شادی کے موقع پر سسرال سے ملنے والی سونے کی انگوٹھی پہننے میں ایک خاص سرور محسوس کرتا ہے۔ اس سے کہیے کہ سونا مردوں کے لیے پہننا حرام

ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اُتار دے۔ (الا ماشاءاللہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ: ۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں لینے کا قصد کرتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ جب تشریف لے گئے تو کسی نے اس شخص سے کہا...... جاؤ ...... اپنی انگوٹھی اٹھالو اور اس کو اپنے مفید کام میں لاؤ، اس نے کہا بخدا جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہو اس کو میں کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔(۱)

سونے کی انگوٹھی، زنجیر والے سونے کے بٹن یا سونے کا لاکٹ یا چین یا کوئی چیز جو خالصتاً سونے کی بنی ہو مردوں کے لیے اس کا پہننا حرام ہے۔ لوگ خواہ کچھ بھی کہا کریں۔

شادی بیاہ کے موقع پر رقص:

شادی بیاہ کے موقع پر ناچنا گویا ایک لازمی امر ہے، مجھے ایک جاننے والے نے اپنی شادی کی کیسٹ (وڈیو کیسٹ) بھجوائی اور کہا اسے ضرور دیکھئے گا کیونکہ آپ تو شادی میں شریک نہیں ہو سکے تھے کم از کم آپ کو معلوم تو ہو کہ شادی کیسے ہوئی۔ میں نے کیسٹ لگائی تو وہ جہاں سے شروع ہوئی وہاں عورتیں رقص کر رہی تھیں اور مہمان آنے والی اپنے خاندان کی خواتین کے علاوہ دیگر جوان لڑکیوں نے ایسا لگتا تھا کہ رقص کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللباس، ج، ۵۳۵۸

باقاعدہ تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ ان میں ایک پچاس پچپن برس کی خاتون بھی ناچنے کی کوشش میں اچھل رہی تھیں۔ میں نے کیسٹ لانے والے اور لگا کر دکھانے والے سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو کہا کہ دولہا بھائی کی والدہ ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ بڑھاپے میں بھی رقص کا شوق۔ کہنے لگے شادی بیاہ میں تو یہ ہوتا ہی ہے۔ اب اگر شادی بیاہ کے موقع پر بھی خواتین کو اتنی سی آزادی نہ ملے تو پھر شادی کیا ہوئی؟ پھر ایک منظر اس کیسٹ میں یہ بھی دیکھا کہ جس گلی میں شامیانہ لگا کر خواتین نے رقص کیا تھا ساری گلی کے تمام مکانات پر جوان لڑکے چڑھ کر اس رقص کو بغور دیکھنے میں مصروف تھے۔

کیا اسی کا نام اسلام ہے اور یہی مسلمانی ہے؟ کہ اپنی جوان بچیوں کو سڑکوں پر نچایا جائے اور شادی بیاہ کے موقع پر اسلام کے پردہ وحجاب کے ساتھ ساتھ دیگر تمام آداب کی دھجیاں اُڑائی جائیں؟

چند دنوں بعد ہمارے انہی مہربان کی والدہ تشریف لائیں۔ بڑی افسردہ افسردہ اور پریشان پریشان سی، میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا دلہن کو آسیب ہو گیا ہے؟ دورے پڑ رہے ہیں اُسے اور بیٹا الگ پریشان ہے۔ میں نے کہا بیٹے کی پریشانی کیا ہے؟ تو کہا وہ ابھی تک یوں ہے جیسے اس کی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ ہم نے تو ہزاروں لاکھوں روپے یونہی برباد کیے، یہ کہہ کر خاتون رونے لگیں، میں نے کہا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے، ایک تقریب اور کرلو رقص وموسیقی کی سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ آسیب بھی نہیں رہے گا۔ دورے بھی ختم ہو جائیں گے اور دولہا کی بھی

شادی ہو جائے گی۔

کہنے لگیں، بس آپ کو تو موقع چاہیے اب شادی بیاہ پر بچوں نے ذرا سا ناچ لیا تو کون سا کفر ہو گیا ہے، شادیوں میں تو یہ ہوتا ہی ہے، اگر اتنا بھی نہ کریں تو دوسرے خاندان کی عورتیں اور ادھر اُدھر کے **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ ان لوگوں کا عجیب رواج ہے کہ شادی پر کوئی خوشی نہیں کی۔

ہم کوئی مرگ پہ آئے ہوئے ہیں؟:

میرے ایک فاضل دوست کی شادی تھی، ہم ہارون آباد سے فیصل آباد بارات لے کر گئے، نکاح کی تقریب میں ہم نے ایک قاری صاحب سے جو شریک بارات تھے، تلاوت کروائی۔ پھر ایک نوجوان نے بڑے خوبصورت انداز میں نعت پڑھنا شروع کی۔ ابھی اس نے چند اشعار ہی پڑھے تھے کہ برابر میں بچے پٹاخے چلانے لگے جب انہیں منع کیا گیا تو ایک صاحب اٹھ کھڑے ہوگئے اور گرج دار آواز میں بولے، **"ہم کوئی یہاں مرگ پر آئے ہوئے ہیں"** یہ آپ لوگوں نے کیا شروع کر دیا ہے؟ بمشکل تمام انہیں پنڈال سے باہر لے جا کر سمجھایا بجھایا گیا، وہ بار بار یہ جملہ دہراتے تھے، ہم بارات لے کر آئے ہیں اور ادھر نعت خوانی ہو رہی ہے۔ **"لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے"** کہ یہ شادی ہو رہی ہے یا..........

اندازہ لگائیے، لوگوں کی سوچ کیا بن چکی ہے کہ نعت شریف یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر غم اور موت کے موقع پر ہی ہونا چاہیے۔ خوشی اور شادی کے موقع

پران کا ہونا گویا عیب ہے۔

جہیز کی نمائش کا مرحلہ:

شادیوں میں جہیز کی اہمیت تمام معاملات سے زیادہ ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سی بچیاں جہیز نہ ہونے کے سبب برسوں سے کنواری بیٹھی اپنی تقدیر کے فیصلے کی منتظر ہیں۔ پھر جہیز میں بے اعتدالی کی صورت ایسی ہوگئی ہے کہ جتنا بھی جہیز دے دیا جائے کم۔ بعض گھرانوں میں دولہا والے پہلے ہی دلہن والوں کو جہیز کی فہرست ارسال کر دیتے ہیں اور کتنی ہی لڑکیاں ایسی ہیں جنہیں سسرال میں جہیز کم لانے کا طعنہ تاحیات برداشت کرنا پڑتا ہے یا عدم برداشت کی بناء پر علیحدگی اختیار کرنا پڑتی ہے۔

جہیز بناتے وقت لڑکی والوں کو لڑکے والوں کی فرمائشوں اور حیثیت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اپنی ضرورت یا پسند ناپسند کا نہیں، عوام میں اب تک اس بات پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ جہیز کی کم سے کم مقدار یا زیادہ سے زیادہ مقدار کیا ہو؟

مجھے ایک شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ ایک زمیندار گھرانہ کی بچی کی شادی تھی۔ خانپور کے ایک نواحی گاؤں میں بارات گئی۔ نکاح اور طعام کے بعد جہیز کا سامان دولہا والوں کے حوالے کیا گیا، دو ٹرک سامان سے اس طرح لادے گئے تھے کہ اوور لوڈنگ صاف نظر آ رہی تھی۔ بھینسوں کا ٹرک الگ تھا۔ بچا ہوا سامان بس کی چھت پر رکھنے اور باندھنے کے لیے دولہا کے بھائی اوپر چڑھے ہوئے تھے اور پسینہ میں شرابور ہو رہے تھے۔ جب آخری آئیٹم بس کی چھت پر پہنچ گئی تو انہوں نے پوچھا **" کچھ اور "**

نیچے کھڑے ایک شخص نے کہا **" اور تیری ماں کا سر "**۔ اوپر والے نوجوان نے پھر کہا بس یہی سامان تھا۔ ہم سمجھے تھے معلوم نہیں کتنا سامان ہوگا۔ یہ سنتے ہی نیچے کھڑا ایک ادھیڑ عمر شخص غش کھا کر دھڑام سے زمین پر جا گرا۔ بعد میں معلوم ہوا یہ دلہن کا والد تھا۔ جس سے یہ بات برداشت نہ ہو سکی۔ کیونکہ عینی شاہدوں کے مطابق اس نے اپنی زندگی بھر کا اندوختہ اس خیال سے اپنی اکلوتی بیٹی کے حوالہ کر دیا تھا کہ جہیز میں کسی قسم کی کمی رہ جانے پر **" لوگ کیا کہیں گے "** کہ اس نے بیٹی کو کچھ نہیں دیا۔ مگر اس کا یہ اقدام ظالم سماج کے پروردہ لالچی **" لوگوں کو "** پھر بھی اپنی بات کہنے سے باز نہ رکھ سکا۔

شادیوں کے موقع پر بعض لوگ مہمانوں کو وہ سامان دکھاتے ہیں جو لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو دیا گیا ہوتا ہے اسے بری دکھانا بھی کہا جاتا ہے۔ اس رسم کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ لڑکے کے والدین نے **" لوگ کیا کہیں گے "** کے جملہ سے بچنے کے لیے کس طرح اپنا سرمایہ پانی کی طرح بہایا ہے ورنہ سامان دینے والوں نے اگر یہ صرف اپنی بہو کی گھریلو ضروریات کے لیے دیا ہے اور لڑکی والوں کو اس کی کوئی لالچ یا طمع نہیں تھی تو اس کی نمائش کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی نے اپنے گھر کا سارا سامان سڑک پر تنبو لگا کر سجایا ہو اور لوگوں کو دعوت دی ہو کہ آؤ دیکھو ہمارے گھر میں کیا کیا ہے؟ عموماً ایسا نہیں ہوتا تو شادی کے موقع پر اس سامان کی نمائش کا کیا مطلب ہے؟ یہ نری نمود و نمائش اور بے جا رسم ہے۔ لیکن آپ اس سے کسی کو منع کر کے تو دیکھئے وہی جواب ملے گا کہ اگر بری نہ دکھائی تو **" لوگ کیا کہیں گے "** کہ انہوں نے لڑکی کو کچھ نہیں دیا۔ یہی صورت جہیز کے سامان کی نمائش کی بھی ہے اگرچہ اب جہیز دکھانے کی رسم **" نظر بد "** لگنے کے ڈر

سے یا ڈاکوؤں کی نظر میں آنے کے خوف سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔

شادی کا کھانا:

شادی کے موقع پر **" ولیمہ "** کا کھانا مسنون ہے، مگر بچی والوں کی طرف سے جو پورے محلے، گاؤں یا برادری کی دعوت کا رواج چل نکلا ہے، یہ بلاوجہ کا تکلف اور اسراف ہے۔ دور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنا " اکرامِ ضیف " (مہمان نوازی) میں آتا ہے مگر آس پڑوس، دوست احباب اور اسی محلّہ گلی اور شہر کے لوگ محض کھانے کے لیے بلائے جائیں اور انہیں لڑکی والوں کی طرف سے نہایت پُر تکلف کھانا کھلایا جائے اس کی کوئی نظیر مسلم ثقافت میں نہیں ملتی اور جو انداز آج کل کی شادیوں میں کھانا کھلانے اور کھانے کا رائج ہے اس کی مثال تو شاید کسی **" انسانی ثقافت "** میں نہ ملے۔

کھانے کا اعلان ہوتے ہی لوگ جس تیزی کے ساتھ کھانے کی ڈشوں کی طرف بھاگتے ہیں شاید مویشیوں میں بھی ایسی بے صبری نہ پائی جاتی ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے برسوں سے بھوکے ہیں، یا اس قسم کا کھانا انہوں نے زندگی بھر کبھی نہیں کھایا۔ کھانے کی جو مقدار اپنی پلیٹ میں نکالتے ہیں وہ تین تین آدمیوں کو کفایت کر سکتی ہے۔ گوشت اور مرغی کی رانوں پر حملہ، شیر کے جنگلی جانوروں پر حملے سے بھی وحشتناک ہوتا ہے۔ یہ تو کسی کو یاد ہی نہیں رہتا کہ اسے کھانے سے قبل ہاتھ دھونے ہیں، بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا ہے، آہستہ آہستہ اور چبا چبا کر کھانا ہے، کھڑے

ہو کر نہیں کھانا، بیٹھ کر کھانا ہے، کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر صاف کرنا ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی کلمہ گو اس دعوت میں نہیں، سب کسی حیوانی معاشرے کے افراد ہیں۔ شادی کی اکثر تقاریب میں بمشکل دو چار افراد ایسے ملتے ہیں جو صبر و سکون کا مظاہرہ کرتے اور آداب طعام کا لحاظ کرتے ہوں۔ اس موقع پر چونکہ شیطانی کام ویسے ہی بخوبی ہو رہا ہوتا ہے اس لیے ابلیس بھی یہ یاد نہیں دلاتا کہ بھئی اطمینان سے کھاؤ ورنہ **" لوگ کیا کہیں گے "**۔

دعوت ولیمہ کرنے کی ترغیب حدیث شریف میں ہے مگر اس کا وقت رخصتی اور میاں بیوی کے پہلے شرعی اجتماع کے بعد کا بتایا گیا ہے، آج کل رخصتی سے پہلے اور بعض لوگوں کے ہاں نکاح سے بھی پہلے ولیمہ کھلا دیا جاتا ہے۔ ولیمہ کی دعوت ہو یا دوسری کوئی دعوت ان دنوں مرغ بریانی یا مرغ قورمہ کا رواج عام ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں بکری کے گوشت کی ترغیب ہے۔ ممکن ہے مرغ عجمیوں اور بکری عربوں کے ہاں مرغوب ہو۔ تاہم سنت تو بکری کا گوشت کھلانے میں نظر آتی ہے۔

" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں یا جسم پر زردی کا کچھ اثر دیکھا (جو شادی کے موقع پر کپڑوں اور بدن پر ملنے کا رواج تھا) تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے......؟ انہوں نے عرض کیا میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تمہیں مبارک کرے، ولیمہ کی دعوت کرو، اگرچہ ایک بکری ہی ہو "۔(۱)

---

(۱) بخاری و مسلم، کتاب النکاح

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے موقع پر ولیمہ کی دعوت میں ایک بکری کا گوشت کھلایا۔(۱)

شادی بیاہ کے موقع پر بسا اوقات غریب غرباء بھی کھانے کے لیے آ جاتے ہیں، جنہیں اکثر ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا جاتا ہے حالانکہ خوشی کے ایسے موقع پر انہیں بھی کھانا کھلانا چاہیے تاکہ اس طرح کچھ صدقہ وخیرات بھی ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اس ولیمہ کا کھانا، بُرا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور حاجت مندوں، غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔"(۲)

شادی بیاہ کے موقع پر قرآن وسنت کی تعلیمات کو نظر انداز کرنے اور احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنے کے باعث نحوست اور بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔ اکثر شادیاں جن پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، صرف چند ہفتوں، چند ماہ یا سال دو سال کے متعہ کی مانند ہوتی ہیں، اس کے بعد ان پر لفظ شادی کا اطلاق مرگ کے مترادف ہوتا ہے۔ اور اگر رشتے ناطے، طے کرتے وقت اور شادی بیاہ کی رسوم میں اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** بلکہ یہ پیش نظر رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا کہا ہے؟ تو ان شادیوں میں برکتیں بھی ہوں اور شادیاں حقیقی طور پر خانہ آبادیاں ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ بوجھ اور بصیرت نصیب فرمائے۔(آمین)

(۱) بخاری ومسلم، کتاب النکاح (۲) بخاری ومسلم، کتاب النکاح

حق مہر کے تعین کا مسئلہ:

جس طرح جہیز میں معاملہ حد سے تجاوز کر چکا ہے اسی طرح حق مہر کے سلسلہ میں بعض ممالک میں صورت حال انتہائی خراب ہے۔ سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک میں مہر کی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ حکومت کو مہر دینے کے لیے نوجوانوں کی مدد کرنا پڑتی ہے۔ آئے دن عرب اخبارات و رسائل میں " غلاء المہور "(مہروں کی مہنگائی) کے عنوان سے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور نوجوان اپنی پریشانی کا اظہار اخباری کالموں میں بھی کرتے ہیں جبکہ ہندوپاک میں مہر کا تعین افراط وتفریط کا شکار ہے۔

بعض گھرانوں میں مہر کی مقدار بہت زیادہ اور بعض میں بہت کم مقرر کی جاتی ہے۔ جبکہ بعض خاندان ایسے بھی ہیں جن میں مہر میں رقم کا لین دین یا مہر کا تعین ایک عیب تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مہر مقرر کرنا شرعی لحاظ سے واجب ہے۔(۱)

شادی بیاہ کے مواقع پر بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ دولہا والے کہتے ہیں، بس جی ہم تو شرعی مہر دیں گے اور جب ان سے شرعی مہر کی تعریف پوچھی جائے تو جواب ہوتا ہے **"سوا بتیس روپے"** حالانکہ آج کل کے دور میں سوا بتیس روپے میں ایک مناسب ہوائی چپل بھی نہیں خریدی جا سکتی۔ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ مہر موجودہ دور کے لحاظ سے اور اپنی مالی حیثیت کے اعتبار سے مقرر کیجئے تو سنت پر عمل کی

(۱) ھدایہ جلد دوم، ص ۳۲۳، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان

تمام روایات سنانا شروع کر دیں گے، جبکہ شادی بیاہ کی رسموں میں انہی کے ہاتھوں بہت سے فرض بھی پامال ہو رہے ہوتے ہیں اور ان کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ لڑکی والے بھی بسا اوقات یہی بات کہتے ہیں کہ مہر سوا بتیس روپے ہوگا۔ دلیل پوچھی جائے تو یہی کہ اگر مہر زیادہ مقرر کریں گے تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ انہوں نے قیمت وصول کر لی۔

جاننا چاہیے کہ شرعی مہر وہ ہے جو لڑکی لڑکے (کے والدین) کے مابین باہمی رضامندی سے طے پایا جائے، اس کی مقدار کا تعین وہ اپنی مالی حیثیت کے اعتبار سے کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی، کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت واستطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر ۵۰۰ (پانچ سو) درہم یا اس کے قریب قریب مقرر فرمایا، اور آپ ﷺ کی اکثر بیویوں (ازواج مطہرات) کا مہر بھی یہی تھا۔(۱)

حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں کئی صحابہ نے اپنے بچوں کے نکاح کیے لیکن مہر اپنی مرضی کے مقرر کیے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کے مہر کو معیار نہیں بنایا نہ اس کی پابندی ضروری خیال کی۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر مقرر کرنا تو واجب ہے مگر اس کی کوئی خاص مقدار مقرر کر لینا اور اسی کو ہمیشہ اور ہر دور میں سنت سمجھ کر کرنا صحیح نہیں جیسا کہ سوا بتیس روپے کا قصہ مشہور

(۱) معارف الحدیث، ج ۷، ص ۴۳

ہے۔ تاہم مہر اپنی حیثیت کے مطابق اتنا ہو کہ جیسے مرد کی جانب سے عورت کے لیے ایک بہترین صداق یا تحفہ کہا جا سکے۔

بعض گھرانوں میں رواج ہے کہ مہر لاکھوں میں مقرر ہوتا ہے، نکاح فارم پر لکھوا بھی دیا جاتا ہے مگر ادا کرنے کی نہ نیت ہوتی ہے نہ ادا کیا جاتا ہے، یہ بھی درست نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط(۱)

یعنی: اپنی بیویوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زناکار کی حیثیت سے پیش ہوگا"(۲)

گویا مہر کی مقدار اتنی ہونی چاہیے جتنی ادا کرنے کی استطاعت اور نیت و ارادہ ہے اگر زیادہ مہر کا مطالبہ اس لیے مان لیا کہ صرف لکھا جائے گا، دینا تو ہے نہیں، صرف (خدانخواستہ) ناچاقی کی صورت میں ہی دینے کی نوبت آئے گی، تو ایسا مہر مقرر کرنا اور لکھوانا بھی درست نہیں کہ نیت کی خرابی سے اللہ تعالیٰ واقف ہے اور یہ اللہ کو دھوکہ دینا ہوا اور لوگوں کو بھی۔

(۱) سورۃ النساء، آیت نمبر ۴ (۲) معجم اوسط، معجم صغیر للطبرانی

مہر مقرر کرنے میں یہ نہ دیکھا جائے کہ کم مہر دیا تو **"لوگ کیا کہیں گے"** یا زیادہ مہر لیا تو **"لوگ کیا کہیں گے"** بلکہ اس معاملہ کو انتہائی خوش اسلوبی سے نبھانے کی ضرورت ہے۔

بعض اوقات لڑکی کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ شادی (نکاح) کے موقع پر اگر نکاح کی اجازت لینے کے لیے آنے والے مہر دیں تو مت لینا یا ہاتھ لگا کر واپس کر دینا کیونکہ اگر تم نے مہر لے لیا تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کبھی پیسہ نہیں دیکھا؟ یہ بھی ایک فضول سی بات ہے، مہر عورت کا حق ہے، اس پر کسی قسم کی قدغن لگانا درست نہیں۔ ہاں اگر کوئی خاتون اپنے شوہر کو مہر معاف کرنا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے مگر یہ جو جبراً معاف کرانے کا سلسلہ ہے اس کی کسی صورت میں بھی حمایت نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح دھوکہ سے مہر معاف کرا لینا بھی حرام ہے۔

ازدواجی معاملات:۔

شادی کے بعد میاں بیوی کی ازدواجی زندگی شروع ہوتی ہے اور اب وہ مرحلہ آتا ہے جب دو ذہنوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی خامیوں کو نظر انداز کر کے خوبیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس مرحلہ میں ناکامی اسی صورت میں ہوتی ہے جب دونوں میں سے کوئی فریق محض خامیوں پہ نظر رکھنے لگتا ہے اور خوبیوں کو نظر انداز کرتا ہے۔

اس نئی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں بھی آتی ہیں کئی خوشگوار، کئی ناگوارِ خاطر، مگر ایک مسلم جوڑے کو بہر صورت اپنی شرعی حدود کا لحاظ پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ازدواجی مسائل سے ناواقف اور شرعی امور سے نابلد جوڑے شب باشی کے بعد دن چڑھے تک سوئے رہتے ہیں۔ نہ غسل نہ نماز فجر............آپ کبھی دولہا میاں سے الگ لے جا کر پوچھیے یا خواتین دلہن سے پوچھ کر دیکھ لیں کہ صبح غسل کرنے سے اور نماز ادا کرنے سے کس نے روکا؟ جواب وہی ہوگا کہ ہم نے سوچا صبح صبح اٹھ کر نہائیں گے تو گھر میں موجود دیگر **"بہن بھائی وغیرہ کیا کہیں گے"** حالانکہ نماز فرض ہے اس کے مقابلہ میں لوگوں کی باتوں کی کیا حیثیت ہے؟

ازدواجی امور سے متعلق اکثر جوڑوں کی معلومات صفر ہوتی ہیں۔ وہ نہ تو کسی سے شرعی مسئلہ دریافت کرتے ہیں نہ کوئی کتاب پڑھنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں، اور جس طرح شیطان ان کے ذہن میں ڈالتا ہے انسانی یا حیوانی طریقۂ قربت اختیار کرتے اور مختلف امراض کا شکار ہو کر اولاد سے محروم یا اپاہج اولاد کے ماں باپ بنتے ہیں۔ نئے شادی شدہ جوڑوں کو مولانا اشرف الحامدی کی کتاب "تحفۃ النکاح" ضرور پڑھنی چاہیے۔(۱)

شادی کے بعد پکنک اور ہنی مون:

شادی کے بعد بعض لوگ پکنک اور ہنی مون منانے جاتے ہیں جو ہر ایک

(۱) تحفۃ النکاح شائع کردہ مجلس تفہیم دین، (جامع مسجد نوری، میمن کالونی، ایف بی ایریا، بلاک ۳، کراچی)

کی اپنی حیثیت کے لحاظ سے ہوتا ہے کچھ لوگ اندرون ملک کے تفریحی مقامات پر اور بعض بیرون ملک جاتے ہیں اور پکنک پوائنٹس پر جا کر ایسی فحش حرکتیں کرتے ہیں کہ وہاں موجود دیگر لوگوں کے جذبات مچل اٹھتے ہیں۔ پھر کوئی انہونی ہو جائے تو کف افسوس ملتے ہیں، لیکن اگر کوئی وہاں جانے سے روکے یا بے پردہ ہونے سے منع کرے تو یہی کہا جاتا ہے کہ ہماری آزادی پر پہرے بٹھائے جا رہے ہیں۔ اب ہم میاں بیوی ہیں، اب بھی ہم انجوائے (Enjoy) نہ کریں؟ جی ہاں آپ ضرور انجوائے کریں، مگر حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے، پکنک پر جاتے ہوئے بسا اوقات شوہر یا اس کے گھر والے آنے والی پردہ دار بہو سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ برقعہ اتار کر چلے ورنہ پکنک کا مزہ نہیں آئے گا۔ جی ہاں پکنک کا مزہ تو جب ہی آئے گا جب دوسرے ان کے چہرہ پر نظریں گاڑ کر پکنک منائیں گے۔ ایسے کیسے مزہ آ سکتا ہے۔ یہ مزہ بھی خوب ہے کہ بے پردہ ہو کر دوسروں کو اپنی زیارت و دیدار کرانے کا گناہ کر کے مزہ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یونہی تو نہیں فرمایا:

وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ(۱)

اور شیطان نے ان کے (بُرے) اعمال ان کے سامنے آراستہ کر کے پیش کئے۔

شیطان ہی یہ بات سکھاتا ہے کہ پکنک اور ہنی مون کا مزہ جب ہی آئے گا جب حجاب کو اُتار کر پھینک دیا جائے اور بے حجابانہ تفریح کی جائے۔ شیطان کا بُرے عمل کو خوبصورت انداز و الفاظ میں پیش کرنا یہی تو ہے۔

(۱) سورۃ النمل، آیت ۲۴

میں نے یونیورسٹی میں ایک بار ایم اے کے طلبہ و طالبات سے سوال کیا کہ کراچی کے ساحلی پکنک پوائنٹس پر لوگ شام کو زیادہ تر جاتے ہیں اگر آپ کو آپ کا شعبہ پکنک پر جانے کی اجازت دے تو آپ لوگ کس وقت جانا پسند کریں گے، سب نے بیک زبان جواب دیا، "شام کو" میں نے کہا صبح کیوں نہیں؟ کہا سر صبح وہاں کچھ ہوتا ہی نہیں۔ میں نے کہا اگر صبح چلے جائیں تو کیا ہوگا؟ کہا...... **"لوگ کیا کہیں گے"** یہ عجیب بے وقوف لوگ ہیں کہ صبح صبح ہی سمندر کے کنارے چلے آئے ہیں۔ میں نے کہا اگر سیر اور تفریح کا مقصد ذہن کی تازگی حاصل کرنا ہے تو ساحل بھی اپنی جگہ موجود ہوتا ہے اور ساحلی پرندے اور گھونگے، سیپیاں بھی اور کھلی ہوا بھی تو شام ہی کو جانے کا کیا مقصد ہے؟ کہا سر شام کو رونق ہوتی ہے۔ جبکہ صبح ساحل بے رونق ہوتا ہے۔ میں نے کہا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ لوگ شام کو رونق دیکھنے جاتے ہیں جبکہ رونق وہ خود ہی ہیں۔ جو صبح کو وہاں نہیں ہوتے شام کو ہوتے ہیں۔ تو گویا لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے جاتے ہیں؟ اس پر سب نے قہقہہ لگایا مگر جواب کسی کے پاس کچھ نہ تھا۔

تو ایسا پکنک اور ایسا ہنی مون جس میں ذہنی آسودگی حاصل کرنے کی بجائے خود کو لوگوں کی نظروں کا نشانہ بننے کے لیے پیش کیا جائے کہاں کی عقل مندی ہے؟ مگر بات وہی ہے کہ اگر پردہ داری سے اور **"ہجوم حیواناں"** سے بچ کر پکنک منانے گئے تو **"لوگ کیا کہیں گے"**۔

اپنوں سے کیا پردہ؟:

بعض خواتین میں ایک بات بڑی عام ہوگئی ہے کہ وہ گھر سے نکلیں گی تو پردہ داری کے ساتھ اور بازار یا مارکیٹ یا دوسرے علاقہ ومحلّہ میں پہنچیں گی تو نقاب اتار دیں گی، پھر جیسے ہی واپس اپنے گھر لوٹیں گی تو اپنے محلّہ اور گلی میں پہنچتے ہی نقاب اوڑھ لیں گی، اگر راستہ میں کوئی اپنا فرد (سسر، دیور، داماد، بھائی) نظر آجائے تو فوراً منہ چھپانے لگیں گی، پوچھئے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ اپنوں سے پردہ اور غیروں سے بے پردگی، تو جواب یہ ہوتا ہے کہ اپنا کوئی بے پردگی میں دیکھ لے گا تو کیا کہے گا؟ وہی بات ہے کہ:

"يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ"

(لوگ،لوگوں سے ڈرتے ہیں اللہ سے نہیں ڈرتے)

نسوانی میلاد کی ایک تقریب میں مووی (Movie) بن رہی تھی، میں نے ایک خاتون سے کہا، یہ خواتین کی محفل ہے اور اس میں پردہ دار خواتین بھی برقع اور پردہ سے آزاد بیٹھی ہیں کیونکہ ہال کے دروازے بند ہیں، بے پردگی کا کوئی اندیشہ نہیں اور یہ جو مووی بنانے والے ہیں یہ اندر جا رہے ہیں انہیں منع کیجئے۔ تو کہنے لگیں یہ تو (Un-Known Person) غیر معروف ہیں ان سے کیا پردہ؟ میں نے کہا تو پھر کیا اپنوں سے پردہ ہوتا ہے۔ محترمہ پردہ تو ہوتا ہی غیروں سے ہے اور غیر محرموں سے۔ مگر وہ منہ بسور کر اندر چلی گئیں اور کوئی جواب نہ دیا۔

غم کے مواقع پر خوشی کا سماں:۔

کسی گھر میں کوئی شخص بیمار پڑ جائے تو علاج معالجہ ایک فطری ضرورت ہے، اس میں اس بات کا قطعی کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے کہ طبیب یا معالج یا اسپتال کا معاشرتی معیار یا Status کیا ہے اور اس کی فیس کتنی ہے۔ مگر کتنے ہی لوگ اس معاملہ میں بھی احساس کمتری یا کمپلیکس کا شکار ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ڈاکٹر یا طبیب اپنے فن میں کس قدر ماہر ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اس کا کلینک کس روڈ اور کس بازار یا علاقہ میں واقع ہے۔ پوش ایریا یا امراء کے علاقہ میں واقع کلینک اور اس میں کام کرنے والے ڈاکٹروں کو مسیحا سمجھا جاتا ہے اور معمولی سی تکلیف پر بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما عالم دین نے ایک بار اپنی داڑھ نکلوادی جو انہیں بے چین کیے ہوئے تھی، اس بے چینی سے نجات کے لیے انہوں نے ایک مہنگے Dentist کا انتخاب کیا اور پھر کئی ہفتے دوست احباب کو یہ بتانے کے لیے بے چین رہے کہ انہوں نے تین ہزار روپے داڑھ کا علاج کرانے اور نکلوانے میں صرف کیے ہیں۔

کسی کو عارضۂ قلب لاحق ہو جائے تو سارے گھر والے رشتہ داروں کو یہ بتاتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے فلاں صاحب کارڈیو (Cardio) میں ایڈمٹ ہیں۔

کسی عزیز کا انتقال ہو جائے تو فوری مسئلہ اس کی تجہیز وتکفین کا نہیں۔ اس

کے لیے مشہور قبرستان میں جگہ حاصل کرنے، خوبصورت سی میت گاڑی کا اہتمام کرنے، کفن باکس کی ضرورت ہو تو عمدہ قسم کی لکڑی کا کفن بکس خریدنے اور تازہ پھولوں سے قبر کو خوشنما بنانے کا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں آنے والوں کے لیے کھانا تیار کروانے اور کھانے کے مینو کا انتخاب بھی اہم معاملہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ قبر اگر کسی غیر معروف قبرستان میں ہوئی تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ کہاں جنگل میں دبا کر چلے آئے۔ میت گاڑی اگر خوبصورت نہ ہوئی تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ چار پیسے خرچ کر لیے ہوتے، پھولوں کی من بھر پتیاں اور گلاب کے پھولوں کی چادریں نہ ڈالی گئیں تو متوفی سے محبت کا اظہار کیونکر ہوگا؟ پھر یہ مسئلہ بھی تو ہے کہ **"لوگ کیا کہیں گے"**؟

نماز جنازہ اور بعض رسومات:

کسی دوست یا عزیز کے ہاں کسی کا انتقال ہو جائے تو اس سے اظہار غم کرنا تا کہ اس کا غم ہلکا ہو۔ تجہیز وتکفین میں اس کی مدد کرنا اور نماز جنازہ میں شریک ہونا، کار ثواب ہے۔ لیکن ریا کاری کے لیے ان میں سے کوئی بھی کام کیا جائے تو باعث گناہ ہے۔

میں نے بارہا اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ نماز جنازہ میں شریک بہت سے لوگوں کو نماز جنازہ کی دعائیں یاد نہیں ہوتیں۔ مگر وہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے کئی ایک سے پوچھا تو جواب یہی ملا کہ دعائیں تو ہمیں یاد نہیں لیکن اگر شریک نماز نہ ہوتے تو **"لوگ کیا کہیں گے"** کہ یہ آخر پیچھے الگ کیوں کھڑے ہیں؟ پھر

اس پر طرہ یہ کہ ایک آدھ بار ایسا ہو جانے کے بعد بھی دعائیں یاد نہیں کرتے اور یونہی ہر جنازہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔

بعض لوگ اس فکر میں ہوتے ہیں کہ میت کے ورثاء انہیں میت کو کندھا دیتے ہوئے کسی طرح دیکھ لیں، تا کہ ان کی محبت کا انہیں یقین ہو جائے۔

میت کی تدفین کے فوری بعد عمدہ قسم کے بتاشے تقسیم کرنا بھی ایک رسم ہے، اور گھر لوٹتے ہی گرما گرم کھانا (بریانی، قورمہ) تیار ہونا چاہیے ورنہ **"لوگ کیا کہیں گے"**؟

سوم (تیجہ) دسواں اور چالیسواں بھی انواع واقسام کے کھانوں کے بغیر پھیکا ہی رہے گا اگر چہ اس کے لیے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے، اور اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو **"لوگ کیا کہیں گے"**؟ انہیں مرنے والے سے اتنی بھی محبت نہیں کہ برادری یا محلّہ والوں کو کھانا ہی کھلا دیتے؟ جس کا ثواب مرحوم کی روح کو پہنچتا؟

اس سلسلہ میں معاشرہ میں رائج رسوم کے حوالہ سے راقم کی کتاب " کڑوی روٹی" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

قبر کو پختہ کرنے اور سنگ مرمر وسرامک کی ٹائلوں سے مزین کرنے کا رواج بھی اب دیکھا دیکھی عام ہو رہا ہے، کسی سے پوچھ کر دیکھئے کہ کچی قبر رکھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ جبکہ حکم رسول اللہ ﷺ سے بھی قبروں کو پختہ کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

اس واضح حکم اور ارشاد رسول ﷺ کے باوجود ہر ادنی و اعلی قبر کی شان دوبالا کرنے میں مصروف ہے اور اس کے پیچھے اکثر و بیشتر یہی جملہ کارفرما ہے کہ قبر پختہ نہ بنائی تو **"لوگ کیا کہیں گے"**؟

زیارت قبور میں بے احتیاطی:

زیارت قبور کی اجازت حدیث شریف میں وارد ہے، مگر کیا جس انداز سے اب لوگ شعبان کی پندرہویں شب فضول باتیں کرتے ہوئے زیارت قبور کو جاتے ہیں وہ کسی مرد صالح کا شیوہ رہا ہے......؟

حدیث شریف میں ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں تم کو زیارت قبور سے روکتا تھا، سنو! اب قبروں کی زیارت کیا کرو اور وہاں فضول باتیں نہ کرنا۔(۲)

اس شب قبرستانوں میں ہونے والی قوالیوں، پکنے والی دیگوں، بٹنے والی خیراتوں، سجنے والے بازاروں، قبروں پر جلنے والی اگربتیوں اور موم بتیوں کا جواز کہاں ہے......؟

حدیث شریف میں تو قبروں پر سبز شاخیں گاڑنے کا تذکرہ ہے، قبروں پر

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، حدیث ۲۱۴۳ (۲) صحیح مسلم

آگ جلانے کا نہیں، زیارت قبور کو جانے والے اس بات کا بھی قطعی خیال نہیں کرتے کہ وہ اپنی عزیز یا عزیزہ کی قبر تک پہنچنے کے لیے کتنی قبریں پھلانگ کر اور کتنی قبروں کو اپنے قدموں سے پامال کر کے پہنچے ہیں۔

حدیث شریف میں تو یہ ہے کہ:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص انگاروں پر بیٹھ جائے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کی کھال تک پہنچ جائے تو یہ قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے"۔(۱)

قبروں کی زیارت، فاتحہ خوانی، عبرت پذیری، موت کی یاد، ایصال ثواب وغیرہ کی نیت سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس پر ریاکاری غالب آجائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

آئمہ وخطباء جو لوگوں کو پندرھویں شب شعبان میں زیارت قبور کی فضیلت سناتے ہیں وہ یہ بتانا کیوں بھول جاتے ہیں کہ زیارت قبور کے کچھ آداب بھی ہیں۔ زیارت قبور کی جو صورت آج کل رائج ہوگئی ہے کیا عہد رسالت مآب ﷺ یا ادوار خلفاء راشدینؓ سے اس کی کوئی نظیر، جلوس در جلوس قبرستانوں میں جانے، وہاں قوالیاں کرنے اور دھمالیں ڈالنے کی پیش کی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر آخر یہ سب کیوں اور کس دلیل سے ہو رہا ہے؟

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، حدیث:۲۱۴۴

ایک طرف تو لوگوں کا اس قدر خوف کہ ہر موڑ پر یہ خطرہ کہ **"لوگ کیا کہیں گے"** اور ایک طرف خدا سے اس قدر بے خوفی؟ کہ وہ جو جائے عبرت ہے اسے تماشہ گاہ بنایا جارہا ہے وہاں جاکر رو رو کر اور گڑگڑا کر دعائیں کرنے کی بجائے، میت کے لیے کچھ تلاوت و ذکر و اذکار کر کے ایصال ثواب کرنے کی بجائے سارا زور قبر کے اردگرد شمعیں روشن کرنے اور اگربتیاں پھونکنے پر ہوتا ہے۔ الا ماشاءاللہ!

اہل علم کی بات ہی اور ہے............

بے راہ روی کے اس دور میں بعض اہل علم بھی بسا اوقات اس شیطانی نعرہ کا شکار ہونے سے نہیں بچ پاتے اور وہ بھی بعض ایسے امور انجام دیتے پائے جاتے ہیں جن کے پیچھے **"لوگ کیا کہیں گے"** کا جملہ موجود ہوتا ہے۔

واہ کینٹ میں ایک جلسہ تھا، مقرر ایک معروف عالم تھے، نماز عشاء کے بعد انہیں چہل قدمی کا شوق ہوا، ہم ساتھ ہولیے، اپنی قیام گاہ و جلسہ گاہ سے کافی دور جانے کے بعد انہوں نے ٹوپی سر سے اتار کر بغل میں دبالی، جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور دس پندرہ منٹ میں اوپر تلے کئی سگریٹ پھونک ڈالے۔ میں نے کہا حضرت ٹوپی کیوں اتارلی، کہا **"لوگ کیا کہیں گے"** مولوی صاحب سگریٹ پی رہے ہیں؟

میں نے کہا مگر اس ریش مبارک کا کیا کیجیے گا؟ کہا یہ تو عام لوگوں کی بھی ہوتی ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایک دوست کے ہاں جانا ہوا جو ایک مدرسہ میں استاذ اور مسجد میں امام تھے، نشست طویل ہوگئی، انہوں نے کہا کھانا کھا کر جائیے گا، میں نے عذر پیش کیا مگر ان کا اصرار غالب آیا۔ باتوں باتوں میں مزید آدھا گھنٹہ گزر گیا مگر کھانے کا کوئی انتظام نظر نہ آیا اور وہ خاصے پریشان بھی دکھائی دیئے، ہم نے پوچھا آخر آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ کہا دوکان سے روٹی لانی ہے مگر کوئی بچہ نہیں جو لے آئے، انتظار میں ہوں کوئی آجائے تو اس سے روٹی منگالی جائے، میں نے بے تکلفی میں کہا آپ خود کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ کہا بس وہ ذرا محلّہ ہے ناں، **"لوگ کیا کہیں گے"** امام صاحب تنور سے روٹیاں لے رہے ہیں؟

مانا کہ یہ بات ایک عالم کے ذرا وقار کے خلاف ہے مگر عوام اور لوگوں کے ڈر سے ایسا کرنا مناسب نہیں ہاں اللہ کے عطاء کردہ مرتبہ و مقام اور وقار کو قائم رکھنے کی نیت سے ہو تو شاید حرج نہ ہو، مگر ہم نے سنا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے کام اور سودا سلف تک لانے کی خدمت خود انجام دے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

مندرجہ بالا صفحات و سطور میں صرف چند باتیں اس جملہ **"لوگ کیا کہیں گے"** کے حوالہ سے آسکی ہیں تمام کا احاطہ نہیں کیا گیا، مقصد صرف اس طرف توجہ دلانا ہے کہ ہم کس طرح متعدد مواقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع و پیروی کی بجائے اپنے نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ تعالی ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عرض ناشر

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَا   نَحۡنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَا

ممتاز اسکالر و مفکر محترم المقام حضرت العلام ڈاکٹر نور احمد شاہتاز دام فیوضہم (استاذ شیخ زائد اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی یونیورسٹی) عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اہم فقہی و شرعی اور اصلاحی مضامین تخلیق کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب "لوگ کیا کہیں گے؟ " کے بالاستیعاب مطالعہ ہی نے اس کی افادیت کو اجاگر کیا اور اس کی اشاعت اور مفت تقسیم کی جانب متوجہ کیا۔ محترم مؤلف یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے معاشرتی برائیوں کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اصلاح بھی فرمائی ہے۔ انداز تحریر ناصحانہ اور مشفقانہ ہے، عبارت اتنی سلیس، سادہ اور دلنشین کہ قرطاس قلب و ذہن میں منقش و مرتسم ہونے کے لیے نگاہ عمیق اور توجہات دقیق کا تکلف حائل نہیں ہوتا۔

کتاب کی اشاعت کے لیے ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب سے اجازت چاہی تو فراخدلی سے آپ نے اجازت مرحمت فرمائی جس کے لیے ہدیۂ تشکر آپ کی خدمت میں نذر کرتے ہیں۔

انجمن ضیائے طیبہ ضیاء الملت والدّین، قطب مدینہ، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین قادری مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسم گرامی سے معنون ہے انجمن کی جملہ مساعی کا انتساب حضرت قطب مدینہ ہی کی جانب ہوتا ہے۔ انجمن ضیائے طیبہ مقتدر علماء اہلسنّت کی سرپرستی میں مسلک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق و محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے لیے کام کر رہی ہے۔ انجمن ضیائے طیبہ اس سے قبل مولانا نسیم احمد صدیقی نوری کی تالیفات "ضیائے الحجاج" اور "ضیائے حدائق بخشش" کے علاوہ معمولات اور وظائف اعلیٰ حضرت پر مبنی "الوظیفۃ الکریمہ"، درودوں کا حسین گلدستہ "ضیائے درود"، قصیدہ بردہ شریف، قصیدۂ محمدیہ اور اسمائے حسنیٰ پر مشتمل کتاب "ضیائے طیبہ" شائع کر چکی ہے۔

قارئین سے التماس ہے کہ محترم مصنف اور انجمن ضیائے طیبہ کے جملہ وابستگان کے حق میں سلامتی ایمان، صحت و تندرستی، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی باادب مقبول حاضری، علم و عمل نافعہ، رزق و عمر اور اہل خانہ کی استقامت دین میں برکت کی دعا فرمائیں جبکہ ہم دعا گو ہیں کہ کتاب "لوگ کیا کہیں گے" کے لکھنے اور شائع کرنے کے مقاصد مطالعہ کرنے والوں پر اثر انگیز نتائج کی صورت میں مرتب ہوں۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

ادارہ

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
پیش لفظ	5
بچے کی پیدائش کا مرحلہ	10
بچے کے لیے تحفے تحائف کا مرحلہ	15
بچے کے نام کا مرحلہ	16
رسم ختنہ و عقیقہ	18
عقیقہ بڑی عمر میں بھی کیا جا سکتا ہے	20
بچوں کی حضانت (دودھ پلانے) کا مسئلہ	22
ابتدائی تربیت کا مرحلہ	23
ابتدائی تعلیم	24
دینی مدارس کی تعلیم سے گریز کیوں......؟	26
لڑکپن کا حال	28
رسم بسم اللہ یا رسم آمین	29
روزہ کشائی	30
پاکیزگی اور صفائی ستھرائی	31
بچوں کا کھانا پینا	32

عنوانات	صفحہ نمبر
بالغ اولاد	33
اولاد اور خدمت والدین	37
خوشی کے مواقع یا شادی بیاہ کی رسومات کے مراحل	38
شادی بیاہ کے موقع پر رقص	42
ہم کوئی مرگ پر آئے ہیں......؟	44
جہیز کی نمائش کا مرحلہ	45
شادی کا کھانا	47
حق مہر کے تعین کا مرحلہ	50
ازدواجی معاملات	53
شادی کے بعد پکنک و ہنی مون	54
اپنوں سے کیا پردہ؟	57
غم کے مواقع پر خوشی کا سماں	58
نماز جنازہ اور بعض رسومات	59
زیارت قبور میں بے احتیاطی	61
اہل علم کی بات ہی اور ہے...........	63